دارالعلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ

جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ جنوری ۱۹۸۸ء

بانی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ
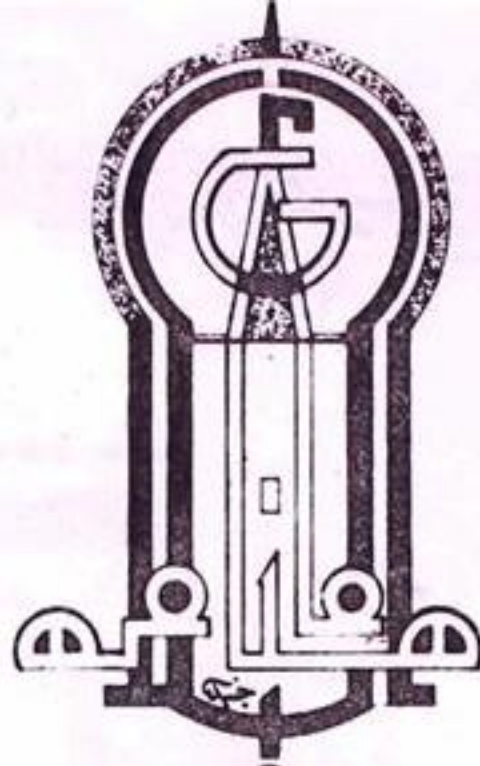
جلد ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ، جنوری ۱۹۸۸ء شمارہ ۵

نگران

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

مدیر

محمد تقی عثمانی

ناظم

شجاعت علی ہاشمی

قیمت فی پرچہ
-/۵ روپے
سالانہ:
-/۵۰ روپے

ریاستہائے متحدہ امریکہ /۲۳۰ روپے برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ
ہانگ کانگ، نائیجریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ /۱۸۰ روپے سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت /۱۵۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی ۱۴
فون نمبر: ۳۱۱۲۱۷

پبلشر: محمد تقی عثمانی دارالعلوم، کراچی
پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس، کراچی

ترتیب

ذکر و فکر

معارف و مسائل

مقالات و مضامین

نقد و تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر و فکر

حمد و ستائش اُس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اُس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

---

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۸۷ء کے روزنامہ "جنگ" میں صفحۂ اوّل پر جلی سُرخیوں کے ساتھ یہ خبر شائع ہوئی ہے :-

> "مدینہ منورہ (نمائندہ خصوصی) وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے مدینہ منورہ میں پاکستانیوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملک میں وہی شریعت نافذ ہوگی جو سب کیلئے قابلِ قبول ہو۔"

کاش! کہ ہمارے ملک کے انتظامی سربراہ اس کے بجائے یہ فرماتے کہ : "ملک میں وہ شریعت نافذ ہوگی جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے قابلِ قبول ہو"۔ لیکن درحقیقت یہ فقرہ اِس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ ذہن میں "نفاذِ شریعت" کا نہ صرف یہ کہ تصوّر واضح نہیں ہے، بلکہ وہ "شریعت" اور اس کے نفاذ کے بارے میں شدید غلط فہمیوں میں اُلجھا ہوا ہے۔ یہ غلط فہمیاں ایک ایسی ذہنیت کی پیداوار ہیں جس نے اس ملک میں چالیس سال سے نفاذِ شریعت جیسے اہم مسئلے کو معرضِ التواء

میں ڈالا ہوا ہے۔

اِس ذہنیت کی پہلی خرابی تو یہ ہے کہ اس کے نزدیک "شریعت" کا نفاذ عوام کی مرضی کے تابع ہے، اگر عوام چاہیں گے تو وہ نافذ ہوگی، ورنہ نافذ نہیں ہوگی۔ اس طرزِ فکر کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ایک عرصے سے "جمہوریت"، "جمہوری اقدار"، جمہوری افکار" اور جمہوری آزادیوں کا وظیفہ سمجھے بوجھے بغیر اتنی کثرت سے پڑھا ہے کہ "جمہوریت" "بذاتِ خود" خیرِ مطلق" بنکر رہ گئی ہے، وہی ہمارے فکر و عمل کا آخری ھدف بنی ہوئی ہے، اُسی کے قیام اور بحالی کیلئے ہم نے تن من کی بازی لگا رکھی ہے، اُسی کو ہم نے ایسا "مرکزِ نجات" قرار دے رکھا ہے کہ گویا ہماری اجتماعی فلاح و بہبود کا ہر کام اسی "جمہوریت" سے حاصل ہوگا، اور جو بھلائی "جمہوریت" کے علاوہ کسی اور ذریعے سے حاصل ہو، وہ بھلائی کہلانے کی مستحق ہی نہیں ہے۔

اسی ذہنیت کا ایک شاخسانہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک "اسلام" بھی وہی معتبر ہے جو جمہوری طریقوں سے یا جمہوری روایات کے تحت آئے۔ اس کے بغیر (معاذ اللہ) اسلام کی کوئی بات بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب تک یہ اُلٹا طرزِ فکر باقی رہے گا، ملک میں حقیقی اسلام کا نفاذ ہرگز نہیں ہو سکے گا، اس لئے کہ یہ طرزِ فکر "اسلام" اور "شریعت" کے بنیادی مفہوم ہی سے متضاد ہے۔ "اِسلام" اللہ تعالیٰ کے آگے جُھک جانے کا نام ہے، اور اس کی "شریعت" کے واجب العمل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہے، اور ایک بندے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ اُسے مان کر اس پر عمل کریں۔ خواہ عوام اُس سے خوش ہوں یا ناراض ہوں۔ اتباعِ شریعت کا مقصد مخلوق کو نہیں، خالق کو راضی کرنا ہے، لہٰذا اس کے نفاذ کے پیچھے قوتِ حاکمہ عوام کی مرضی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ اُسلام" عوام کے پیچھے پیچھے چلنے اور ان کی خواہشات کی پیروی کے لئے نہیں، ان کی قیادت و رہنمائی کرنے اور انہیں نفسانی خواہشات کی غلامی سے نکالنے کیلئے آیا ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ

اگر حق ان لوگوں کی خواہشات کے تابع ہو جائے تو آسمان و زمین میں فساد پھیل جائے۔

"اِسلام" تو ایسے ماحول میں آیا تھا کہ اس کے اردگرد عوام کی اکثریت شروع میں اُسے ناپسند کرتی تھی، اگر عوام کی مرضی" ہی فیصلہ کُن ہوتی تو اسلام کو کبھی بھی نافذ ہونا نہیں چاہیئے تھا۔ وہ تو ہمیشہ مخالفین کے نرغے میں پروان چڑھا ہے، اس نے لوگوں کے طعنے سہہ کر اور ملامتیں سُن کر اپنی راہ بنائی

ہے، اور عوام کی خواہشات کے پیچھے چلنے کے بجائے اُن کی اصلاح کو اپنی منزلِ مقصود قرار دیا ہے، لہٰذا "اسلام" کو عوام کی مرضی اور "جمہوریت" کے تابع قرار دینا درحقیقت اسلام کے بنیادی تصور ہی سے متضاد ہے۔

پھر یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ عموماً "سب کیلئے قابلِ قبول" ہونے کے اس "نظریئے" کی ساری زد بیچاری "شریعت" ہی پر پڑتی ہے، یہ خیال ہمارے "جمہوریت پسند" حکام اور دانشوروں کو بہت کم آتا ہے کہ جو قوانین ہم پر چالیس سال سے مسلط چلے آرہے ہیں وہ کتنے افراد کیلئے "قابلِ قبول" ہیں؟ وہ کونسے عوام ہیں جنہوں نے ان قوانین کو سندِ منظوری عطا کی ہے؟ اور "سب کیلئے قابلِ قبول" کی یہ شرط ان قوانین پر کیوں لاگو نہیں ہوتی؟ —— وہاں تو حال یہ ہے کہ ایک بدیسی اور غیر مسلم حاکم ہمارے سینوں پر بندوق رکھ کر یہ قوانین ہمارے سروں پر مسلط کر گیا، اور ہم ہیں کہ اُنہیں چالیس سال سے اپنے اوپر نہ صرف لادے چلے آرہے ہیں، بلکہ مسلمان عوام کی فریاد و فغاں کے باوجود اس بات پر مُصر ہیں کہ یہ قوانین غیر محدود مدت تک عوام پر مسلط رہیں گے، تاآنکہ ایسی "شریعت" وجود میں نہ آجائے جو "سب کے لئے قابلِ قبول ہو"۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اگر اسلام کو ٹھیک ٹھیک نافذ کیا جائے گا تو اس کے نتیجے میں بہت سے لوگوں کے ذاتی مفادات کو نقصان پہنچے گا، کسی کی آمدنی کم ہو جائے گی، کسی کے خرچ میں اضافہ ہوگا، کسی کی لیڈری جاتی رہے گی، کسی کے منصب پر حرف آئے گا، کسی کی بے مُہار آزادی میں فرق پڑیگا، کسی کے عیش و تنعم میں کمی ہوگی، اور ایسے افراد جو ملکی اور ملّی مسائل کو اسی قسم کے مفادات کے دائرے میں رہکر سوچتے ہیں، وہ یقیناً ایسے احکام کے نفاذ کی مخالفت کریں گے، یا کم از کم انہیں ناگوار سمجھینگے جو اُن کے ذاتی مفادات کے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ اسی ملک میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی تعداد کم ہے لیکن اثر و رسوخ خاصا ہے، اور وہ نظریاتی طور پر اسلامی قانون کے بجائے لادینی طرزِ زندگی کو پسند کرتے ہیں، اور نفاذِ اسلام کے ہر اقدام کی کسی نہ کسی حیلے بہانے سے مخالفت کرتے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ اسلام کے ٹھیک ٹھیک نافذ ہونے سے کیسے خوش ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا "سب خوش رہیں" کی پالیسی کے ساتھ "شریعت" کا نفاذ عملاً ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر شریعت پر عمل کرنا ہے، اور اللہ کیلئے کرنا ہے تو اس کیلئے کچھ حلقوں کی مخالفت مول لینی ہی پڑیگی، اگر ہم اس مخالفت کے لئے تیار نہیں ہیں تو نفاذِ شریعت کے کام سے ہمیشہ کیلئے ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔

تیسرے یہ "سب کیلئے قابلِ قبول" ہونے کی شرط تو ایسی ہے کہ اگر اس پر ٹھیٹھ معنی میں عمل کیا جائے تو کسی جمہوری ملک میں کوئی سیکولر قانون بھی نافذ نہیں ہو سکتا، کوئی بڑے سے بڑا جمہوری ملک بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے تمام باشندے اس کے تمام قوانین سے مکمل طور پر مطمئن اور خوش ہیں، کیونکہ

سب کو پوری طرح خوش رکھنے کا کوئی طلسماتی نسخہ اُس ٹھیٹھ جمہوری حکومت کے پاس بھی نہیں ہے جسے "عوام کی حکومت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ وہاں بھی زیادہ سے زیادہ یہی کیا جاسکتا ہے کہ اکثریت کی منظوری حاصل کرلی جائے، اور وہ اکثریت بھی قانونی اکثریت ہوتی ہے جس کا حقیقی اکثریت ہونا ضروری نہیں ہے۔

اب یہ منطق کس قدر عجیب ہوگی کہ دُنیا کی ہر بات کو نافذ کرنے کیلئے تو اکثریت کا اتفاق کافی ہو، لیکن شریعت کے نفاذ کیلئے سب کا اتفاق ضروری قرار دیا جائے، جس کا حصول کم از کم اسباب وظواہر کی اس دنیا میں عملاً ناممکن ہے۔

محترم وزیر اعظم نے جو بات کہی ہے کہ "ایسی شریعت نافذ ہوگی جو سب کیلئے قابلِ قبول ہو" تو شاید اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہو کہ ہمارے ملک میں مختلف فرقے یا مکاتبِ فکر پائے جاتے ہیں، اور نفاذ شریعت کیلئے ان سب کا اتفاق ضروری ہے۔

لیکن اس سلسلے میں بھی ہماری گذارش یہی ہے کہ اگر اسی اتفاق کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر جزوی قانون پر تمام مکاتب فکر کا اتفاق ضروری ہے، تو ایسا اتفاق بھی بحالاتِ موجودہ ناممکن ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کے فرقہ وارانہ اختلاف کا جو شور مچا ہوا ہے، کم از کم قانونی مسائل میں یہ اختلافات اتنے زیادہ اور اتنے سنگین نہیں ہیں، تاہم بہت سے جزوی قوانین ایسے ہیں جن میں مختلف مکاتبِ فکر کے نظریات آپس میں متضاد ہیں، اور جزوی ان قوانین کی حد تک سب کا اتفاق حاصل نہیں ہو سکتا۔

کیا اس عدم اتفاق کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ شریعت کبھی نافذ نہ ہو، اور انگریزی قانون بدستور مُسلط رہیں؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب نفی میں ہے، اور اس مسئلے کا حل معقولیت کے ساتھ تلاش کیا جائے تو اس کے دو ہی راستے عقلاً ممکن ہیں، ایک یہ کہ کوئی بالاتر اتھارٹی ایسی ہو جو ان مکاتبِ فکر کے نظریات میں حق و باطل کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور اس فیصلے کے مطابق جو نظریہ حق ہو، اُسے قانون بنا دیا جائے۔ لیکن اگر ایسی کوئی اتھارٹی موجود نہیں ہے تو پھر رفع نزاع کا کوئی راستہ اس کے سوا ممکن نہیں ہے کہ بنیادی طور پر شریعت کی اُس تعبیر کو اختیار کیا جائے جو ملک کے اکثریتی مکتب فکر کی تعبیر ہو۔ البتہ جو معاملات عبادات اور نکاح وطلاق اور وراثت سے متعلق ہیں، اُن میں ہر مسلّم مکتبِ فکر کیلئے الگ قانون سازی کی جائے۔

چنانچہ ۱۹۵۱ء میں ملک کے تمام مکاتبِ فکر کے سربرآوردہ علماء نے جمع ہو کر جو ۲۲ دستوری نکات مرتب کئے تھے، اس میں سب نے اس اصول پر اتفاق کیا تھا کہ ملک کا عام قانون ایک ہوگا، لیکن ہر مکتبِ فکر کے شخصی قوانین میں اسی مکتبِ فکر کی تشریح و تعبیر معتبر ہوگی۔ اور یہی بات ۱۹۷۳ء کے

دستور میں بھی طے کردی گئی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا اس مسئلے کا کوئی حقیقت پسندانہ منصفانہ اور قابلِ عمل حل کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

یہ حل ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۳ء میں علماء کے مشترک اجتماع میں بھی تجویز کیا گیا تھا، اس کے بعد ۱۹۷۳ء کے دستور میں اسے باقاعدہ آئینی حیثیت بھی دیدی گئی۔ جس کے بعد فرقہ وارانہ اختلافات کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے ہوجانا چاہیئے، اور اب از سرِ نو اس مسئلے کو اٹھانا ایک طے شدہ بات کو بلا وجہ پیچیدہ بنانے کے مرادف ہے۔

آخر میں ہم محترم وزیر اعظم کی خدمت میں یہ دردمندانہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں شریعت کا نفاذ اس ملک کی حیات و بقا کیلئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی جسم کے زندہ رہنے کیلئے اس میں روح کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرض عائد ہے کہ ہم اس کے احکام کو اس کی زمین پر نافذ کریں، اس لئے بھی ضروری ہے کہ پاکستان کا مقصدِ وجود ہی یہ تھا کہ اس خطے میں مسلمان اپنے دین کو عملاً برپا کریں۔ اس لئے بھی ضروری ہے کہ موجودہ حکومت کی وجہِ جواز اسلام کے نفاذ کے سوا کچھ اور نہیں، اور وہ انہی وعدوں کے ساتھ برسرِ اقتدار آئی ہے کہ وہ اپنے اقتدار کے زمانے میں نفاذِ اسلام کا فریضہ انجام دیگی۔

لہٰذا موجودہ حکومت پر پچھلی تمام حکومتوں سے زیادہ یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنا یہ فریضہ اخلاص اور تن دہی کے ساتھ انجام دے۔ اقتدار نے کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیا، یہ سایہ کسی بھی وقت ڈھل سکتا ہے۔ لیکن اقتدار کے سائے میں انجام دیئے ہوئے اچھے برے کام صرف تاریخ ہی میں محفوظ نہیں ہوتے، بلکہ اس جہان میں بھی ریکارڈ ہوجاتے ہیں جہاں ہر انسان کو اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہے۔

خدا کرے کہ اس حقیقتِ عظمیٰ کے استحضار کے ساتھ ہم سب کے دل میں مخلوق کے بجائے اپنے خالق کو راضی کرنے اور اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر پیدا ہوجائے، تو ہمارے تمام مسائل حل ہوجائیں۔

اللّٰھمّ ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
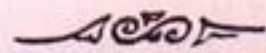
میراث تقسیم کرنا فرض ہے

مَردوں کے لئے بھی (خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے) حصّہ (مقرر) ہے اس چیز میں سے
جس کو (اُن مَردوں کے) ماں باپ اور (یا + دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار
(اپنے مرنے کے وقت) چھوڑ جائیں، اور (اسی طرح) عورتوں کے لئے بھی (خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی)
حصّہ (مقرر) ہے اُس چیز میں سے جس کو عورتوں کے ماں باپ اور (یا دوسرے) بہت
نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرتے وقت) چھوڑ جائیں، خواہ وہ چھوڑی
ہوئی چیز قلیل ہو یا کثیر ہو (سب میں سے حصّہ ملے گا) حصّہ بھی ایسا
جو قطعی طور پر مقرر ہے۔ ـــــــــــ (سورۂ النساء)

تشریح: آج یتیموں، بیواؤں اور خواتین پر یہ ظلم وستم معاشرہ میں جاری ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد بالغ اور طاقت ور اولاد باپ کے تمام مال وجائیداد پر قبضہ کر لیتی ہے۔ نابالغ لڑکے محروم رہ جاتے ہیں، بہنوں اور بیٹیوں کا تو کوئی حق ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اسلام نے سب سے پہلے اس ظلم کو دُور کیا، نابالغ یتیم بچوں اور خواتین خواہ بالغ ہوں یا نابالغ ان کو وارث قرار دیا اور ان کے حصّے مقرر کئے اور ان کا حق ادا کرنا فرض قرار دیا۔ اور عام مسلمانوں کو خطابِ عام کر کے حکم دیا کہ مرنے والے کا ترکہ اس کی اولاد اور ورثاء کو پورا پورا پہنچایا جائے، اور ہر ایسے طریقے سے پرہیز کیا جائے جس سے اس کی اولاد اور دیگر ورثاء کو حصّہ نہ پہنچنا تو در کنار، نقصان پہنچنے کا بھی خطرہ نہ رہے۔

ایک عجیب واقعہ

خلاصہ تفسیر

حٰمٓ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے۔ ہر چیز کا جاننے والا ہے گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے (پس قرآن مجید اور توحید کی حقیقت کا مقتضا یہ ہے کہ اس میں انکار و جدال نہ کیا جاوے مگر پھر بھی) اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں میں (قرآن میں جو توحید پر بھی مشتمل ہے) وہی لوگ (ناحق کے) جھگڑے نکالتے ہیں جو (اس کے) منکر ہیں (اور اس انکار کا مقتضا یہ ہے کہ ان کو سزا دیجاتی۔ لیکن عاجلا سزا نہ ہونا استدراج یعنی چند روزہ مہلت دینا ہے) سو ان لوگوں کا شہروں میں (امن وامان سے دنیوی کاروبار کیلئے) چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے (کہ اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ اسی طرح سزا و عذاب سے بچے رہیں گے اور آرام سے رہیں گے اور آپ کے اس خطاب سے دوسروں کو سُنانا مقصود ہے غرض ان پر دارو گیر ضرور ہوگی خواہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یا صرف آخرت میں چنانچہ) ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جو اُن کے بعد ہوئے (جیسے عاد وثمود وغیرہم دین حق کو) جھٹلایا تھا اور ہر امت (میں سے جو لوگ ایمان نہ لائے تھے انہوں) نے اپنے پیغمبر کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا (کہ پکڑ کر قتل کر دیں) اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اُن ناحق سے حق کو باطل کر دیں سو میں نے (آخر) اُن پر دارو گیر کی سو (دیکھو) میری طرف سے (ان کو) کیسی سزا ہوئی اور (جس طرح اُن کو دُنیا میں سزا ہوئی) اسی طرح تمام کافروں پر آپ کے پروردگار کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ وہ لوگ (آخرت میں) دوزخی ہوں گے (یعنی یہاں بھی سزا ہوئی اور وہاں بھی ہوگی، اسی طرح کفر کے سبب ان کفار حاضرین کو بھی دارو گیر اور سزا ہونے والی ہے خواہ دونوں عالم میں یا آخرت میں۔ یہ تو حال ہے منکرین کا کہ مستحق اہانت

و عقوبت ہیں اور جو لوگ موحد اور مومن ہیں وہ ایسے مکرم ہیں کہ ملائکہ مقربین ان کے لئے دعا و استغفار کرنے میں مشغول رہتے ہیں جو کہ حسب قاعدہ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ اس کی علامت ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے اس پر مامور ہیں کہ مومنین کے لئے استغفار کیا کریں اس سے مومنین کا محبوب عند اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ) جو فرشتے کہ عرش (الٰہی) کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے (اس طرح دعا) استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت (عامہ) اور علم ہر چیز کو شامل ہے (پس اہل ایمان پر بدرجہ اولیٰ رحمت ہوگی اور ان کے ایمان کا آپ کو علم بھی ہے) سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے (شرک و کفر سے) توبہ کر لی ہے اور آپ کے رستہ پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے اے ہمارے پروردگار اور (دوزخ سے بچا کر) ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے داخل کر دیجئے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو (جنت کے) لائق (یعنی مومن) ہوں (گو ان مومنین کے درجے کے نہ ہوں) ان کو بھی داخل کر دیجئے، بلاشک آپ زبردست حکمت والے ہیں (کہ مغفرت پر قادر ہیں اور ہر ایک کے مناسب اس کو درجہ عطا فرماتے ہیں) اور (جیسا ان کو دوزخ سے جو کہ عذاب اعظم ہے بچانے کے لئے آپ سے دعا ہے اسی طرح یہ بھی دعا ہے کہ) ان کو (قیامت کے دن ہر طرح کی) تکالیف سے بچا لیجئے (گو وہ جہنم سے خفیف ہوں جیسے میدان قیامت کی پریشانیاں) اور آپ جس کو اس دن تکلیف سے بچا لیں تو اس پر آپ نے (بہت) مہربانی فرمائی۔ اور یہ (جو مذکور ہوا مغفرت و حفاظت عذاب اکبر و اصغر سے اور دخول جنت) بڑی کامیابی ہے (پس اپنے مومن بندوں کو اس سے محروم نہ رکھئے)

معارف و مسائل

سورۂ مومن کی خصوصیات اور فضائل وغیرہ یہاں سے سورۂ احقاف تک سات سورتیں۔ حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں ان کو آلِ حٰمٓ یا حوامیم کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ آلِ حٰمٓ دیباج القرآن ہے (دیباج ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں۔ مراد اس سے زینت ہے) اور مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ ان کو عرائس کہا جاتا ہے یعنی دلہنیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک مغز اور خلاصہ ہوتا ہے قرآن کا خلاصہ آلِ حٰمٓ ہیں یا فرمایا کہ حوامیم ہیں یہ سب روایتیں امام عالم ابو عبید قاسم بن سلامؒ نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں لکھی ہیں۔

اور حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ قرآن کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنے اہل و عیال کی رہائش کے لئے جگہ کی تلاش میں نکلا۔ تو کسی ہرے بھرے میدان کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔ اچانک آگے بڑھا تو تو روضات دمثات یعنی ایسے باغات ملے جن کی زمین میں اگانے کا مادہ سب سے زیادہ ہے ان کو دیکھ کر کہنے لگا میں تو بارش کی پہلی ہی ہریالی کو دیکھ کر تعجب کر رہا تھا۔ یہ تو اس سے بھی عجیب تر ہیں تو اس سے یہ کہا جائے گا کہ پہلی ہریالی اور سرسبزی کی مثال عام قرآن کی مثال ہے اور روضات دمثات کی مثال قرآن میں سے آلِ حٰمٓ کی مثال ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب میں تلاوت قرآن کرتے ہوئے آلِ حٰمٓ پر آجاتا

ہوں تو گویا ان میں میری بڑی تفریح ہوتی ہے۔

ہر بلائے سے حفاظت | اور مسند بزار میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شروع دن میں آیۃ الکرسی اور سورۂ مومن (کی پہلی تین آیتیں حٰمٓ سے الیہ المصیر تک) پڑھ لیں۔ وہ اس دن ہر برائی اور تکلیف سے محفوظ رہے گا۔ اس کو ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ جس کی سند میں ایک راوی متکلم فیہ ہے۔ (ابن کثیر صـ ۶۹ ج ۴)

دشمن سے حفاظت | ابوداؤد و ترمذی میں باسناد صحیح حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی کہ جس نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ (کسی جہاد کے موقع پر رات میں حفاظت کے لئے) فرماتے تھے کہ اگر رات میں تم پر چھاپہ مارا جائے تو تم حٰمٓ لا یُنصرُون پڑھ لینا جس کا حاصل لفظ حٰمٓ کے ساتھ یہ دُعا کرنا ہے کہ ہمارا دشمن کامیاب نہ ہو اور بعض روایات میں " حٰمٓ لا یُنصرُوا " بغیر نون کے آیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تم حٰمٓ کہو گے تو دشمن کامیاب نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حٰمٓ دشمن سے حفاظت کا قلعہ ہے (ابن کثیر)

ایک عجیب واقعہ | حضرت ثابت بنانی رح فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیر رض کے ساتھ کوفے کے علاقے میں تھا۔ میں ایک باغ کے اندر چلا گیا کہ دو رکعت پڑھ لوں۔ میں نے نماز سے پہلے " حٰمٓ المؤمن " کی آیتیں الیہ المصیر تک پڑھیں، اچانک دیکھا کہ ایک شخص میرے پیچھے ایک سفید خچر پر سوار کھڑا ہے۔ جس کے بدن پر یمنی کپڑے ہیں۔ اُس شخص نے مجھ سے کہا کہ جب تم غَافِرِ الذَّنْبِ کہو تو اس کے ساتھ یہ دُعا کرو یَا غَافِرَ الذَّنْبِ اغْفِرْلِیْ یعنی اے گناہوں کے معاف کرنے والے مجھے معاف کر دے اور جب تم پڑھو قَابِلِ التَّوْبِ تو یہ دُعا کرو یَا قَابِلَ التَّوْبِ اقبل تَوْبَتِی یعنی اے توبہ کے قبول کرنے والے میری توبہ قبول فرما پھر جب پڑھو شَدِیْدِ الْعِقَابِ تو یہ دُعا کرو یَا شَدِیْدَ الْعِقَابِ لَا تُعَاقِبْنِی یعنی اے سخت عقاب والے مجھے عذاب نہ دیجئے اور جب ذِی الطَّوْلِ پڑھو تو یہ دُعا کرو یَا ذَا الطَّوْلِ طُلْ عَلَیَّ بِخَیْرٍ یعنی اے انعام و احسان کرنے والے مجھ پر انعام فرما۔

ثابت بنانی رح کہتے ہیں یہ نصیحت اس سے سننے کے بعد جو ادھر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا، میں اُس کی تلاش میں باغ کے دروازے پر آیا۔ لوگوں سے پوچھا کہ ایک ایسا شخص یمنی لباس میں یہاں سے گذرا ہے سب نے کہا کہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا۔ ثابت بنانی رح کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ الیاس علیہ السلام تھے، دوسری روایت میں اس کا ذکر نہیں۔ (ابن کثیر)

ان آیات کی تاثیر اصلاح خلق میں اور فاروق اعظم کی ایک عظیم ہدایت مصلحین کے لئے | ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کی سند سے نقل کیا ہے کہ ایک اہل شام میں سے بڑا بارعب قوی آدمی تھا اور فاروق اعظم رض کے پاس آیا کرتا تھا، کچھ عرصہ تک وہ نہ آیا تو فاروق اعظم رض نے لوگوں سے اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین اس کا حال نہ پوچھئے وہ تو شراب میں بدمست رہنے لگا۔ فاروق اعظم رض نے اپنے منشی کو بلایا اور کہا کہ یہ خط لکھو۔

من عمر بن الخطاب الی فلان بن فلان۔ سلام علیك فانی	منجانب عمر بن خطاب بنام فلاں بن فلاں۔ سلام علیک! اس کے بعد میں تمہارے

احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ	لئے اُس اللہ کی حمد پیش کرتا ہوں جس
إلا هو غافر الذنب و قابل التوب	کے سوا کوئی معبود نہیں وہ گناہوں
شدید العقاب ذا الطول لا	کو معاف کرنے والا، توبہ کو قبول کرنے
إلٰہ إلا ھو إلیہ المصیر	والا، سخت عذاب والا، بڑی قدرت
	والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں
	اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

پھر حاضرین مجلس سے کہا کہ سب ملکر اس کے لئے دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو پھیر دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے، فاروق اعظم رضی نے جس قاصد کے ہاتھ یہ خط بھیجا تھا اس کو ہدایت کردی تھی کہ یہ خط اس کو اس وقت تک نہ دے جب تک کہ وہ نشہ سے ہوش میں نہ آئے اور کسی دوسرے کے حوالے نہ کرے۔ جب اس کے پاس حضرت فاروق اعظم رضی کا یہ خط پہنچا اور اُس نے پڑھا تو بار بار ان کلمات کو پڑھتا اور غور کرتا رہا کہ اس میں مجھے سزا سے ڈرایا بھی گیا ہے اور معاف کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ پھر رونے لگا اور شراب خوری سے باز آگیا تو ایسی توبہ کی کہ پھر اس کے پاس نہ گیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی کو جب اس اثر کی خبر ملی تو لوگوں سے فرمایا کہ ایسے معاملات میں تم سب کو ایسا ہی کرنا چاہیئے کہ جب کوئی بھائی کسی لغزش میں مبتلا ہو جائے تو اس کو درستی پر لانے کی فکر کرو اور اس کو اللہ کی رحمت کا بھروسہ دلاؤ اور اللہ سے اُس کے لئے دُعا کرو کہ وہ توبہ کرلے اور تم اس کے مقابلہ پر شیطان کے مددگار نہ بنو۔ یعنی اُس کو بُرا بھلا کہہ کر یا غصہ دلاکر اور دین سے دور کردو گے تو یہ شیطان کی مدد ہوگی۔ (ابن کثیر)

تنبیہ: جو لوگ اصلاح خلق اور تبلیغ و دعوت کی خدمت انجام دینے والے ہیں ان کے لئے اس حکایت میں ایک عظیم الشان ہدایت ہے کہ جس شخص کی اصلاح مقصود ہو اس کے لئے خود بھی دُعا کرو پھر نرم تدابیر سے اس کو درستی کی طرف لاؤ۔ اشتعال انگیزی نہ کرو کہ اس سے اس کو نفع نہیں پہنچے گا بلکہ شیطان کی امداد ہوگی اور اس کو اور زیادہ گمراہی میں مبتلا کردے گا (آگے آیت کی تفسیر دیکھیئے):۔

حٰمٓ ۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے مگر آئمہ متقدمین کے نزدیک یہ حروف مقطعات سب متشابہات میں سے ہیں جن کے معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک راز ہیں۔

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ، غَافِرِ الذَّنْبِ کے لفظی معنیٰ ہیں گناہ پر پردہ ڈالنے والا، اور قَابِلِ التَّوْبِ کے معنی توبہ قبول کرنے والا، یہ دو لفظ الگ الگ لائے گئے اگرچہ مفہوم دونوں کا تقریباً ایک معلوم ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ غَافِرِ الذَّنْبِ میں اشارہ اس طرف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر بھی قدرت ہے کہ کسی بندے کا گناہ بغیر توبہ کے بھی معاف کردے اور توبہ کرنے والوں کو معافی دینا دوسرا وصف ہے۔ (مظہری)

ذِی الطَّوْلِ ۔ طول کے لفظی معنی وسعت و غنا کے ہیں اور قدرت کے معنی میں بھی آتا ہے فضل و احسان کے معنیٰ بھی ہیں۔ (مظہری)

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ - کفار قریش سردی میں یمن کا اور گرمی میں ملک شام کا تجارتی سفر کرتے تھے اور حرم بیت اللہ کی خدمت کی وجہ سے ان کا سارے عرب میں احترام تھا۔ اس لئے اپنے سفروں میں محفوظ رہتے اور تجارتی منافع حاصل کرتے تھے۔ اسی سے ان کی مالداری اور ریاست قائم تھی اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے باوجود ان کی یہ صورت قائم رہنا ان کے لئے فخر و غرور کا سبب تھا کہ اگر ہم اللہ کے نزدیک مجرم ہوتے تو یہ نعمتیں سلب ہوجاتیں اس سے کچھ مسلمانوں کو بھی شبہات پیدا ہونے کا امکان تھا، اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت سے ان کو یہ چند روزہ مہلت دے رکھی ہے، اس سے آپ یا مسلمان کسی دھوکہ میں نہ پڑیں۔ چند روزہ مہلت کے بعد ان پر عذاب آنیوالا ہے اور یہ ریاست فنا ہونیوالی ہے جس کی ابتداء غزوۂ بدر سے ہوئی اور فتح مکہ تک چھ سال کے اندر اس کا پوری طرح ظہور ہوگیا۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ - حاملان عرش فرشتے اب چار ہیں اور قیامت کے روز آٹھ ہوجائیں گے اور عرش کے گرد کتنے فرشتے ہیں ان کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ بعض روایات میں ان کی صفوں کی تعداد بتلائی ہے جو لاکھوں تک پہنچتی ہے ان کو کروبی کہا جاتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ یہ سب مقرب فرشتے مومنین کے لئے خصوصاً جو گناہوں سے تائب اور شریعت کے متبع ہوجائیں۔ ان کے لئے دعا کرتے ہیں یا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام پر مامور فرمایا ہے یا ان کی فطرت و طبیعت ہی ایسی ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندوں کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں اس لئے حضرت مطرف بن عبداللہ ابن شخیرؒ نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں مومنین کے خیرخواہ سب سے زیادہ اللہ کے فرشتے ہیں۔ ان کی دعا مومنین کے لئے ایک تو یہ ہوتی ہے کہ ان کی مغفرت فرما اور عذاب جہنم سے بچا اور ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرما۔ اس کے ساتھ یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ - یعنی ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولادوں میں سے جن میں صلاحیت مغفرت کی ہو یعنی جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے ان کو بھی انہیں لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو شرط نجات ہے ایمان کے بعد دوسرے اعمال صالحہ ہیں مسلمان کے متعلقین باپ دادے یا بیوی اور اولاد اگر اس کے درجہ سے نیچے بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے اکرام میں کم درجہ کے متعلقین کو بھی جنت میں انھیں کے ساتھ کر دیں گے تاکہ ان کی خوشی و مسرت مکمل ہوجائے جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ وَاَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ -

حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ مومن جب جنت میں جائے گا تو اپنے باپ، بیٹے، بھائی وغیرہ کو پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں اس کو بتلایا جائے گا کہ انہوں نے تمہارے جیسا عمل نہیں کیا (اس لئے وہ یہاں نہیں پہنچ سکیں گے) یہ کہے گا کہ میں نے جو عمل کیا تھا (وہ صرف اپنے لئے نہیں) بلکہ اپنے اور ان کے لئے کیا تھا تو حکم ہوگا ان کو بھی جنت میں داخل کردو (ابن کثیر)

تفسیر مظہری میں اس روایت کو نقل کرکے فرمایا کہ یہ موقوف بحکم مرفوع ہے اور اس بارے میں صریح ہے کہ صلاحیت جو اس آیت میں شرط قرار دی گئی ہے اس سے مراد نفس ایمان ہے۔

ہنسی مذاق

اور

متعلقہ مسائل

افادات: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

ترتیب: محمد اسلم ناظم مجلس صیانۃ المسلمین ـــــــ ہارون آباد

(غیر شرعی ہنسی، مذاق کی مذمت)

ہنسی اور تبسم ⑥ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا۔ (شمائل ترمذی)

⑦ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔ (شمائل ترمذی)

⑧ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے تو تبسم فرماتے (یعنی خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ملتے تھے) (شمائل نبوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ بہت خوش روئی اور تبسم کے ساتھ پیش آتے اور وہ کوئی عجیب واقعہ بیان کرتے تو ان کے ساتھ تعجب میں شریک ہوتے اور سب کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے۔ (ترمذی) حضرات صحابہ کا ہنسنا بھی آپ کی مجلس میں آپ کی اقتدار وتعظیم کی وجہ سے تبسم کی حد سے نہ بڑھتا تھا۔ (شمائل ترمذی)

⑨ ایک مرتبہ ایک گاؤں والا (اعرابی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہم یہ دیکھ رہے تھے کہ چہرہ مبارک پر کچھ رنج وغصہ کا اثر ہے اس نے آپ سے کچھ بات دریافت کرنا چاہی، صحابہ رضی اللہ عنہم کرام نے منع کیا کہ اس وقت آپ سے گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے اعرابی نے کہا کہ تم مجھے چھوڑ دو، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا۔ جب تک آپ تبسم نہ فرمادیں۔ پھر یہ اعرابی سامنے آیا اور آنحضرت سے دریافت

کیا یارسول اللہ! ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ آخر زمانہ میں جس وقت لوگ بھوک سے مر رہے ہوں گے تو دجّال لوگوں کے سامنے بہت سا ثرید (شوربہ میں توڑی ہوئی روٹی) لے کر آئے گا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ مجھے رائے دیجئے کہ اس وقت اس کے ثرید سے علیحدہ رہوں، یہاں تک کہ بھوک سے مرجاؤں یا ایسا کروں کہ اس کے ثرید میں خوب ہاتھ ماروں اور جب خوب شکم سیر ہو جاؤں تو پھر اللہ تعالیٰ پر ایمان کا اور اس کے ساتھ کفر وانکار کا اعلان کر دوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بات سُن کر اس قدر ہنسی آئی کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے (سیرت رسول اکرمؐ صفحہ ۲۵)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے اخیر میں آگ سے نکلے گا وہ ایک ایسا آدمی ہوگا کہ زمین پر گھسٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا کہ جہنم کے عذاب کی سختی کی وجہ سے سیدھے چلنے پر بھی قادر نہ ہوگا۔ اس کو حکم ہوگا، کہ جا! جنت میں داخل ہوجا۔ وہ وہاں جاکر دیکھے گا کہ لوگوں نے تمام جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے سب جگہیں پُر ہو چکی ہیں۔ لوٹ کر بارگاہِ الٰہی میں اس کی اطلاع کرے گا وہاں سے ارشاد ہوگا کیا دُنیا کی وسعت اور فراخی بھی یاد ہے، کہ تمام دنیا کتنی بڑی تھی اور یہ اس لئے یاد دلایا کہ آئندہ تمام دنیا سے دس گنا زائد اس کو عطا فرمانے کا اعلان ہونے والا ہے تو ساری دنیا کا ایک مرتبہ تصور کرنے کے بعد اس عطیہ کی کثرت کا اندازہ ہوگا وہ عرض کرے گا کہ رب العزت خوب یاد ہے اس پر ارشاد ہوگا کہ اچھا کچھ تمنائیں کرو۔ جس نوع سے دل چاہے وہ اپنی تمنائیں بیان کرے گا وہاں سے ارشاد ہوگا کہ اچھا تم کو تمہاری تمنائیں اور خواہشات بھی دیں اور تمام دنیا سے دس گنا زائد عطا کیا وہ عرض کرے گا یا اللہ آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہو کر مجھ سے تمسخر کرتے ہیں (کہ وہاں تو ذراسی بھی جگہ نہیں ہے اور آپ تمام دنیا سے دس گنا زائد مجھے عطا فرمارہے ہیں) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، کہ جب اس شخص کا یہ مقولہ نقل فرمارہے تھے تو آپ کو ہنسی آگئی کہ آپؐ کے دندانِ مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۸)

صحابہؓ خوش مزاج تھے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر حضرت علیؓ میں مزاح نہ ہوتا تو میں اپنی حیات ہی میں ان کو خلیفہ بنادیتا۔ مزاح سے (جاہل لوگوں کے سامنے) وقار جاتا رہتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ خوش مزاج بہت تھے اکثر ہنستے بولتے رہتے تھے اور یوں سب ہی حضرات صحابہؓ خوش مزاج تھے میں نے حضرت عمرؓ کے دو شعر بھی دیکھے ہیں۔

ابو بکر حبا فی اللہ مالا — واعتق من ذخائرہ بلالا

وقد واسی السبق بکل فضل — واسرع فی اجابۃ بلالا

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ و حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے درمیان

چل رہے تھے (حضرت علی رضی اللہ عنہ چھوٹے قد کے تھے اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دراز قد تھے۔ حضرت علیؓ شاعر بھی تھے اور بڑے خوش مزاج تھے اور عموماً شاعر خوش مزاج ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا علی بیننا کالنونِ فی لنا[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ جواب دیا لولا کنت بینکما الکنتما لا[2] (انفاس عیسیٰ ص۹۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسی، مزاج فرمانے کی حکمتیں !

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاج فرماتے تھے اس میں بھی حکمت تھی۔ ایک حکمت تو تطبیب قلوب اصحاب تھی اور دوستوں کا دِل خوش کرنا بھی عبادت ہے حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے تو حضرت سے عرض کیا کہ آج میں نے حضرت کا وقت ضائع کیا حضرت کی عبادت میں خلل ڈالا حاجی صاحبؒ نے فرمایا کیا نفلیں ہی پڑھنا عبادت ہے۔ دوستوں سے باتیں کرنا عبادت نہیں؟ یہ تم نے کیا کہا کہ وقت ضائع کیا۔ نہیں بلکہ یہ سارا وقت عبادت میں گذرا اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ صبح کی نماز کے بعد بعض دفعہ مصلّے پر بیٹھے رہتے تھے اور اشراق کے وقت تک دوستوں سے باتیں کرتے تھے عامی تو یہ سمجھتا ہو گا کہ یہ وقت عبادت سے خالی گذرا مگر مولانا اس کو بھی عبادت میں مشغول سمجھتے تھے کیونکہ تطبیب قلب مؤمن بھی عبادت ہے پس ایک حکمت تو حضورؐ کے مزاح میں صحابہ کی دلداری یہ تھی۔

(۲) دوسری حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رعب وجلال اس درجہ عطا فرمایا تھا۔ کہ ہرقل وکسریٰ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے آپؐ کے نام سے تھراتے تھے حدیث میں ہے نُصِرتُ بِالرُّعبِ مَسِیرَۃَ شَھرٍ" اللہ تعالیٰ نے میری مدد رعب سے بھی کی ہے۔ جو ایک مہینہ کی مسافت تک پہنچا ہوا ہے یعنی اُس مخلوق پر بھی رعب آپؐ کا طاری تھا جو بقدر ایک مہینے کی مسافت کے آپ سے دور تھے پاس والوں کا تو کیا ذکر اور حضور تو بڑی چیز ہیں حضورؐ کے غلامانِ غلام کے نام سے بھی سلاطین کانپتے تھے جیسے حضرت عمرؓ وحضرت خالد رضی اللہ عنہما۔

(۳) مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف سلطان نہ تھے۔ بلکہ رسول بھی تھے۔ اور رسول کا کام ہے کہ امت کی ظاہری وباطنی اصلاح کرے۔ جس کے لئے افادہ واستفادہ کی ضرورت ہے اور افادہ واستفادہ کی شرط یہ ہے کہ مستفیدین کا دِل مربی سے کھلا ہوا ہو تاکہ وہ بے تکلف اپنی حالت کو ظاہر کر کے اصلاح کر سکیں۔ اور جس قدر رعب وجلال خدا تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ صحابہؓ کو استفادہ سے مانع ہوتا تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گاہ گاہ اس مصلحت سے مزاح فرماتے تھے کہ صحابہ کے دِل کھُل جائیں۔ اور وہ ہر وقت مرغوب رہ کر اپنے دل کی باتوں کے

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسے حرف نون لفظ لنا میں۔

[2] اگر میں تمہارے درمیان نہ ہوتا تو تم "لا" ہوتے (یعنی کچھ بھی نہ ہوتے)

بیان کرنے سے نہ رُکیں۔ اور یہ مسلّم نہیں کہ ہر مزاح خلاف وقار ہے خلاف وقار صرف وہ مزاح ہے جس میں کوئی مصلحت و حکمت نہ ہو اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضورؐ کے مزاح سے آپ کے وقار و عظمت میں کمی نہ آتی تھی بلکہ صرف اس کا اثر یہ تھا کہ صحابہؓ کے قلوب میں انشراح پیدا ہوتا۔ اور وہ انقباض جاتا رہتا تھا جو غایت رعب کی وجہ سے قلوب میں عادۃً پیدا ہوتا ہے جس کا ثمرہ یہ تھا کہ قلوب میں آپ کی محبت جاگزین ہوتی تھی اگر آپ مزاح نہ فرماتے۔ تو صحابہ کے اوپر آپ کا خوف ہی غالب ہوتا محبت غالب نہ ہوتی اور جب مزاح سے آپ کی محبت غالب ہوئی تو آپ کے وقار و عظمت میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی بلکہ پہلے سے بھی زیادتی ہوئی کیونکہ پہلے تو وقار و عظمت کا منشاء صرف خوف تھا۔ اب محبت و خوف دونوں مل کر کام کرنے لگے اگر کوئی یوں کہے کہ مزاح سے تو خوف زائل ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں مزاح کرنے والے میں شان رعب کم ہو اور وہ مزاح کثرت سے کرے اور اگر شان رعب بہت زیادہ ہو جیسا کہ حضورؐ کی بابت احادیث میں وارد ہے اور مزاح بھی کثرت سے نہ ہو تو اس صورت میں مخاطب بے خوف نہیں ہو سکتا ہے حضرات صحابہ کرامؓ کے قلوب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کس درجہ تھی اور جب کبھی کسی بات پر آپؐ کو غصہ آ گیا ہے تو صحابہ کی کیا حالت ہوتی تھی کہ حضرت عمرؓ جیسے قوی القلب شجاع بھی تھرا جاتے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عاجزانہ التجا کرنے لگتے تھے۔

(اشرف الجواب ص۵۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی اور مزاح کس طرح کا تھا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے خوش طبعی اور مزاح بھی فرماتے اب یہ دیکھنا ہے کہ آپ کی خوش طبعی اور ظرافت کس طرح کی تھی اس تشریح کی یوں ضرورت ہے کہ بہت سے کاموں میں ہمارے غلط عمل سے ہمارے نظریات بدل چکے ہیں تخیل کہاں سے کہاں چلا گیا ہے۔ ہر معاملہ میں اعتدال کھو بیٹھے ہیں اگر ہم سنجیدہ اور متین بنتے ہیں تو اتنے کہ خوش طبعی اور ظرافت ہم سے کوسوں دور رہتی ہے اور اگر خوش طبع بنتے ہیں تو اس قدر کہ تہذیب ہم سے کوسوں دور رہتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ہمیں ایک خاص معیار اپنے سامنے رکھنا ہے آپ کی ظرافت اور مزاح کی تعریف آپ ہی کی زبان مبارک سے سُن لیجیے صحابہ کرامؓ نے آپ سے تعجب سے پوچھا کہ آپ بھی مذاق کرتے ہیں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں بے شک۔ مگر میرا مزاح سراسر سچائی اور حق ہے اس کے مقابلہ میں ہمارا آج کل وہ مذاق ہے جس میں جھوٹ۔ غیبت، بہتان، طعن و تشنیع اور بیجا مبالغوں سے پورا پورا کام لیا جاتا ہے۔ (اسوۂ رسول اکرم)

محمد تقی عثمانی

سلطان محمد فاتح کے شہر میں

سفرِ استنبول کے تاثرات

مسلمانوں کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ میں ترکی کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی بھی پڑھے لکھے شخص سے مخفی نہیں، ترکوں کی شجاعت کی داستانیں ہماری تاریخ کا وہ سنہرا باب ہیں جن پر ہر مسلمان بجا طور سے فخر کر سکتا ہے۔ یہ علاقہ صدیوں تک پورے عالمِ اسلام کا پایۂ تخت اور اسلامی تہذیب وتمدن کا مرکز رہا ہے، یہاں کے علماء، وفقہاء اور اولیاء وصوفیاء نے آنے والوں کے لئے اپنے نقوشِ زندگی کا بہت بڑا سرمایہ چھوڑا ہے۔

کم از کم میرا معاملہ تو یہ رہا ہے، اور شاید دوسرے مسلمانوں کا بھی ہوگا، کہ ترکی اور اس کی خلافت کا نام آتے ہی دل میں عقیدت ومحبت کے جذبات اُمڈ آتے ہیں، نہ صرف اس لئے کہ ترکی خلافت کے ساتھ شغف کی تاریخ بڑی تابناک ہے، بلکہ اس لئے بھی کہ آخر کے گئے گذرے دَور میں بھی ترکی خلافت مسلمانوں کے اس مرکزِ وحدت کا کام کر رہی تھی جس نے ساری دُنیا کے مسلمانوں کا شیرازہ کسی نہ کسی حد تک مجتمع کر رکھا تھا، اور اس خلافت کا الغاء ہمارے موجودہ سیاسی انحطاط کا نقطۂ آغاز تھا جس کے بعد ابھی تک امّتِ مسلمہ پنپ نہیں سکی۔ اقبال مرحوم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ؎

چاک کردی تُرکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

لہٰذا ترکی کے ساتھ ایک قلبی وابستگی شروع سے تھی، اور طبعی طور پر اُسے دیکھنے کی آرزو بھی۔ لیکن کبھی وہاں جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ میں ایک روز میں دارالعلوم کی دورۂ حدیث کی درسگاہ میں جامع ترمذیؒ کا درس دے رہا تھا کہ ایک ڈاکیے نے ایک تار مجھے پہنچایا۔ یہ تار مسلم ممالک کی تنظیم منظمۃ المؤتمر الإسلامی (آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس) کے سیکریٹری جنرل جناب شریف الدین پیرزادہ کے ایک پیغام پر مشتمل تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ لیبیا کی مجلس الدعوۃ الاسلامی اور ترکی کے اسلامی ثقافتی مرکز کے اشتراک سے استنبول میں "قرآن کریم کے تراجم" کے موضوع پر ایک عالمی مذاکرہ منعقد ہو رہا ہے، آپ کو اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔

مذاکرے میں شرکت سے زیادہ استنبول دیکھنے کے شوق نے بلا تأمل اس دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ کر دیا۔ اتفاق سے انہی دنوں مجمع الفقہ الإسلامی کی ایک ذیلی کمیٹی کا ایک اجلاس جدّہ میں ہونے والا تھا جس میں مجھے بھی شرکت کرنی تھی۔ میں نے وہیں سے ترکی جانے کا پروگرام بنا لیا۔

جدّہ میں مجمع الفقہ الإسلامی کے اجلاس سے فارغ ہو کر میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا، اور تین دن وہاں قیام کرنے کے بعد ۸ رجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۸۶ء کو مغرب کے بعد جدّہ کیلئے روانہ ہوا، رات جدّہ میں گذاری۔ اور صبح ۷ بجے ایئر پورٹ کیلئے روانہ ہو گیا۔

۹ رجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۰ مارچ کو نو بجے سعودی ایئر لائنز کے طیارے میں سوار ہوا جو ایتھنز کے راستے استنبول جا رہا تھا۔ یہ پوری پرواز تقریباً چھ سات گھنٹے کی تھی، جہاز بحرِ احمر کو عبور کر کے مصر میں داخل ہوا، جہاز کی بلندی سے نہر سویز کا منظر بڑا حسین تھا، پھر قاہرہ شہر پر بھی پرواز ہوئی جو حدِ نظر تک پھیلا ہوا تھا، اور اس کے مغربی سرے پر تینوں اہرامِ مصر بچوں کے کھلونوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ قاہرہ اور اہرامِ مصر کا تذکرہ میں مصر کے سفرنامے میں کر چکا ہوں۔

ایتھنز:

تقریباً ۴½ گھنٹے کی پرواز کے بعد جہاز یونان کے دارالحکومت ایتھنز (ATHENS) کے ہوائی اڈے پر اُترا جسے عربی میں "ایثینا" کہتے ہیں۔ یہ بھی بڑا قدیم شہر ہے اور زمانہ ماقبل تاریخ سے آباد چلا آتا ہے، یہ یونانی فلسفے اور فنون کا بہت بڑا مرکز تھا، یہاں یکے بعد دیگرے یونانی، رومی،

بازنطینی اور لاطینی شہنشاہیاں قائم رہی ہیں، اور پندرھویں صدی عیسوی میں اسے ترک مسلمانوں نے فتح کرلیا تھا، جن کی حکومت یہاں تقریباً چار سو سال رہی۔ انیسویں صدی عیسوی میں یہ علاقہ مسلمانوں کے قبضے سے نکلا، اور یونان کی جدید بادشاہت قائم ہوئی، کچھ عرصہ یہ جرمنی کے زیرنگیں بھی رہا، اور اب یہاں "جمہوریہ یونان" کے نام سے ایک مستقل حکومت قائم ہے۔ لیکن مقامِ حسرت یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں نے تقریباً چار سو سال حکومت کی، وہاں آج پورے شہر میں ایک بھی باقاعدہ مسجد موجود نہیں ہے، سُنا ہے کہ کسی ہوٹل میں ایک نماز گاہ بنائی گئی ہے۔

میں ایک مرتبہ پہلے بھی امریکہ سے واپسی میں اس ایئرپورٹ سے گذرا ہوں، اندر جانے کا تو اتفاق نہیں ہوا، لیکن دونوں مرتبہ جہاز نے پورے شہر کا اوپر ہی سے تفصیلی نظارہ کرادیا، پہلی بار جب میں نے جہاز سے اس شہر کو دیکھا تھا تو اس کا یہ تاثر آج تک ذہن پر باقی ہے کہ شہر کی تمام عمارتیں سفید ہیں، مجھے اُس وقت کوئی بھی عمارت کسی دوسرے رنگ کی نظر نہیں آئی تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر کے منتظمین نے پورے شہر کو سفید رکھنے کا خاص اہتمام کیا ہے، اور اس اہتمام سے شہر میں ایک اچھوتا حُسن پیدا ہوگیا ہے۔ لیکن اس مرتبہ دیکھا تو بہت سی عمارتیں دوسرے رنگوں میں بھی نظر آئیں، اور اب وہ اہتمام باقی نہیں رہا۔

یونان کسی زمانے میں دنیا کا دماغ کہلاتا تھا، دنیا کے وہ بڑے بڑے فلسفی اور سائنسدان جن کی تحقیقات سے آج کی ترقی یافتہ سائنس بھی مستغنی نہیں ہے، یہیں پیدا ہوئے تھے، ارسطو، افلاطون، سقراط، اور ان سے بھی پہلے حساب کا موجد ارشمیدس، جیومیٹری کا موجد اقلیدس، جدید فلکیات کا بانی فیثاغورس سب یہیں کی پیداوار تھے، اور اس وقت یونان کی حدودِ مملکت بھی آج کے مقابلے میں بہت وسیع تھیں، لیکن آج یونان کا دنیا کے علوم و فنون میں کوئی قابلِ ذکر حصہ نہیں ہے،

اس دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی تہذیب کبھی ہمیشہ سلامت نہیں رہتی۔ اس تماشا گاہ میں نہ جانے کتنی کرّوفر کی تہذیبیں اُبھر چکی ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنے وقت میں دنیا پر چھائی ہوئی معلوم ہوتی تھی، لیکن عمرِ طبعی کو پہنچنے کے بعد وہ صفحۂ ہستی سے ایسی مٹیں کہ انہیں تاریخ میں تلاش کرنے کے لئے بھی محنت کرنی پڑتی ہے، کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربك ذو الجلال والإکرام۔

ایتھنز سے دوبارہ پرواز کرنے کے بعد بمشکل ایک گھنٹہ بھی نہ گذرا ہوگا کہ جہاز ترکی کی حدود میں داخل ہوگیا، سامنے سرسبز و شاداب جزیروں اور ان کے ساتھ آنکھ مچولی کرتی ہوئی سمندری

خلیجوں کا ایک جال سا بچھا ہوا تھا۔ جہاز کی بلندی بہ تدریج کم ہوتی گئی، دُور سے چھوٹے نظر آنے والے جزیرے رفتہ رفتہ پھیلتے گئے، اُن میں چھپی ہوئی قدرتی رعنائیاں نمایاں ہونے لگیں، چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر بچھا ہوا مسطح سبز رنگ اب اُبھری ہوئی جھاڑیوں اور دیو قامت درختوں میں تبدیل ہونے لگا، اور اُن کے درمیان بہتے ہوئے آبشار نما چشمے آنکھوں کی رسائی میں آگئے۔ ابھی قلب و نظر اسی حسین منظر میں محو تھے کہ دیکھتے ہی دیکھتے جہاز استنبول کے ہوائی اڈے پر اتر گیا۔

یہ ایک جدید انداز کا خوبصورت اور فیشن ایبل ایئر پورٹ تھا، جہاز سے اُتر کر امیگریشن اور کسٹم کے مراحل سے فارغ ہونے میں کچھ وقت لگا، اور جب میں کسٹم سے باہر نکلا تو نکلتے ہی ایک نوجوان نظر آیا، جو ایک بڑے سے کارڈ پر انگریزی حروف میں میرا نام لئے کھڑا تھا، یہ کانفرنس کے منتظمین کا فرستادہ تھا، اُس نے بڑی محبت اور تپاک سے استقبال کیا، اور پھر ہم کار میں سوار ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

استنبول کا آدھا حصہ ایشیا میں اور آدھا حصہ یورپ میں واقع ہے، اور یہ دنیا کا وہ واحد شہر ہے جو دو بڑے بر اعظموں کے درمیان بٹا ہوا ہے۔ دونوں حصوں کے درمیان آبنائے باسفورس بہتی ہے۔ ایئر پورٹ اس کے یورپی حصے میں ہے، اور شہر یہاں سے خاصے فاصلے پر ہے۔ کچھ دور تک سر سبز وادیوں سے گذرنے کے بعد شہر کی آبادی شروع ہو گئی، ہمارے قیام کا انتظام شہر کے بالکل آخری سرے پر آبنائے باسفورس کے کنارے "ترابیہ ہوٹل" میں کیا گیا تھا، چنانچہ وہاں تک پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا، گاڑی شہر کے جدید و قدیم علاقوں سے گذرتی رہی، اور بالآخر گنجان آبادی کے علاقے ختم ہونے لگے تو ایک ایسی سڑک آگئی جس کے دونوں طرف انجیر کے درختوں کی قطاریں تھیں، اور جو بتدریج سطح سمندر کی طرف جھکتی چلی گئی تھی، یہاں تک کہ آبنائے باسفورس کا پانی نظر آنے لگا، باسفورس کے یورپی ساحل کی بناوٹ کچھ ایسی ہے کہ اس میں تقریباً ہر فرلانگ دو فرلانگ کے فاصلے پر ہلالی شکل کے کٹاؤ پائے جاتے ہیں، جن میں سمندر کا پانی داخل ہو کر چھوٹی چھوٹی خلیجوں کا منظر پیش کرتا ہے، ان خلیجوں میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں پڑی رہتی ہیں جو تفریحی کشتی رانی کے علاوہ شہر کے ایشیائی حصے تک جانے کیلئے بھی استعمال ہوتی ہیں، ایک ایسی ہی خلیج (خلیج ترابیہ) کے بائیں بازو پر ترابیہ ہوٹل واقع تھا جو یہاں کا مشہور فائیو اسٹار ہوٹل ہے۔

جس کمرے میں میرا قیام ہوا اس کی مشرقی دیوار شیشے کی تھی، جہاں سے آبنائے باسفورس کا نیلگوں سمندر اور اس کے پس منظر میں ایشیائی کنارے کی سبز پوش پہاڑیاں ہر وقت نظروں کے سامنے تھیں ۔۔۔ ایک ایسا ناقابلِ فراموش حسین منظر جس کی یاد ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی ہے۔!

نمازِ عصر کے بعد میں نے چاہا کہ ہوٹل سے نیچے اُتر کر باسفورس کے کنارے کچھ چہل قدمی کر لی جائے، لیکن جب ہوٹل سے باہر نکلا تو شدید برفانی ہوا کے تھپیڑوں نے استقبال کیا، یہ مارچ کا مہینہ تھا، پاکستان اور سعودی عرب میں اچھی خاصی گرمی تھی جہاں ٹھنڈی شیروانی بھی بار معلوم ہو رہی تھی، اس لئے اتفاق سے میں نے گرم کپڑے اپنے ساتھ نہیں رکھے تھے، ایک ہلکی سی ٹھنڈی شیروانی کے سوا سردی سے بچاؤ کا کوئی سامان ساتھ نہ تھا، یہ اندازہ ہی نہ تھا کہ مارچ میں بھی یہاں اتنی سردی ہوگی ہمت کر کے سمندر کے کنارے پچاس ساٹھ گز چلا ہوں گا کہ برفانی ہوا نے مزید آگے بڑھنا ناممکن بنا دیا، یہاں تک کہ واپسی کے پچاس ساٹھ گز بھی بمشکل قطع ہو سکے۔ اندازہ ہوا کہ یہاں گرم کپڑوں کے بغیر گذارہ ممکن نہیں، اور جبتک ان کا انتظام نہ ہو، کمرے کے اندر رہنے میں عافیت ہے۔ چنانچہ وہ رات میں نے ہوٹل ہی میں گذاری اور مذاکرے کے دوسرے شرکاء سے ملاقات اور فون پر بعض احباب سے گفتگو پر اکتفا کیا۔

اگلا دن جمعہ تھا، اور اس دن استنبول کے بہت سے تاریخی مقامات کی سیاحت کا موقع ملا، لیکن ان مقامات کے تذکرے کیلئے پہلے استنبول کا مختصر تعارف اور اس کی تاریخ کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر قارئین اس تذکرے سے ٹھیک لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔

استنبول شہر کا تعارف:

استنبول اپنے جغرافیائی محلِ وقوع اور اپنی تہہ در تہہ تاریخ کے لحاظ سے دُنیا ایک منفرد شہر ہے، جو بہت سی امتیازی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس شہر کے نام بھی مختلف زمانوں میں بدلتے رہے ہیں، اور شاید دُنیا کے کسی اور شہر کے نام نہ رہے ہوں جتنے اس شہر کے رہے ہیں، شاید اس کا سب سے قدیم نام ذازغراد تھا، پھر میگلا غارد (Myclagaard) ہوا۔ یونانی اور رومی دور کی ابتداء میں اسے بیزنطہ (Byzantium) کہا گیا، پھر جب تیسری صدی عیسوی میں رومی بادشاہ قسطنطین نے اس شہر کو اپنا پایۂ تخت بنایا تو اس کا نام قسطنطنیہ (Constantinople) ہو گیا۔ اسی کو "روم جدید" بھی کہتے تھے، اور عربی تواریخ میں اسی کو "مدینۃ الروم" بھی کہا جاتا ہے، بازنطینی لوگ اسے "ھی پولس (He Polis) بھی کہتے تھے جس کے معنیٰ "شہر" کے ہیں، اور غالباً "مدینۃ الروم" اسی کا ترجمہ تھا۔ جب یہ شہر مسلمانوں کے قبضے میں آیا تو بعض لوگ اُسے "استانبول" کہنے لگے، جسے مسلمانوں نے بدل کر "اسلامبول" بنا دیا، اور خلافت عثمانیہ کے بعض کاغذات پر "اسلامبول" بھی

لکھا گیا۔ لیکن باقاعدہ سرکاری نام قسطنطنیہ ہی رہا۔ خلافت عثمانیہ کے آخری دور میں اسے "الآستانہ"، "دار السعادۃ" اور "الباب العالی" کے نام بھی دیئے گئے۔ یہاں تک کہ جب خلافت ختم ہوئی تو ۱۹۳۰ء میں اس کا باقاعدہ سرکاری نام "استنبول" ہوگیا، اور اب یہ شہر اسی نام سے معروف ہے۔

تاریخی اعتبار سے اس شہر کو جو اہمیت حاصل رہی ہے، کہا جاتا ہے کہ روم اور ایتھنز کے سوا کوئی دوسرا شہر اس میں استنبول کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ یہ شہر گیارہ سو سال تک سلطنتِ روما کا پایۂ تخت رہا ہے جو اپنے عہدِ عروج میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی تھی، اور اس کی تہذیب دنیا پر چھائی ہوئی تھی۔ عیسائیوں کے مشرقی کلیسا کا مرکزی شہر بھی یہی تھا، جس کے سربراہ کو بطریرک (Patriarch) کہا جاتا تھا، لہٰذا عیسائی مذہب کی تاریخ میں بھی اس کو بڑی زبردست اہمیت حاصل ہے۔ سلطنتِ روما کے زوال کے بعد جب یہ شہر مسلمانوں کے قبضے میں آیا تو خلافتِ عثمانیہ کا دار الحکومت بھی یہی بنا، اور تقریباً پانچ سو سال تک اسے پورے عالمِ اسلام میں مرکزیت کا مقام حاصل رہا۔

قسطنطنیہ پر حملے:

جب سے رومی بادشاہ قسطنطین نے تیسری صدی عیسوی میں عیسائی مذہب قبول کرکے اس شہر کو اپنا پایۂ تخت بنایا تھا، اُس وقت سے اس کا نام "قسطنطنیہ" ہوگیا تھا، اور یہ بیک وقت بازنطینی سلطنت اور عیسائی مذہب دونوں کا اہم ترین مرکز بن گیا تھا، اور اس کی یہی اہمیت تھی جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر پر جہاد کرنے والے لشکر کو مغفرت کی بشارت دی تھی۔

حضرت انسؓ کی خالہ امِ حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی رشتہ دار تھیں، ایک روز آپؐ اُن کے گھر میں دوپہر کے وقت سوئے ہوئے تھے کہ اچانک بیدار ہوئے تو آپؐ کے چہرۂ مبارک پر تبسم تھا، حضرت امِ حرامؓ نے تبسم کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا کہ "خواب میں مجھے اپنی امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے جو جہاد کیلئے سمندر کی موجوں پر اس طرح سفر کرینگے جیسے تخت پر بادشاہ بیٹھے ہوں۔" حضرت امِ حرامؓ نے عرض کیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر (روم) کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کریگا، اسکی مغفرت کی بشارت دیگئی ہے۔

کہ "یارسول اللہ! دُعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرمالے"۔ آپؐ نے دُعا فرمادی، اور دوبارہ محوِ خواب ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر بیدار ہوئے تو دوبارہ چہرۂ مبارک تبسم سے کھلا ہوا تھا، حضرت ام حرامؓ نے دوبارہ وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا کہ "میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر (روم) کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کریگا، اس کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے" حضرت ام حرامؓ نے دوبارہ دُعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ اس لشکر میں مجھے بھی شامل فرمالے۔ لیکن اس مرتبہ آپؐ نے جواب دیا کہ "نہیں، تم پہلے لشکر میں شامل ہو"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں بشارتیں اس طرح پوری ہوئیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کیا، یہ تاریخ اسلام میں پہلی بحری مُہم تھی، اور اس میں حضرت ام حرامؓ اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامتؓ کے ساتھ لشکر میں شامل ہوئیں۔ یہ جنگی مہم اس لحاظ سے کامیاب رہی کہ اہلِ قبرص نے مسلمانوں سے صلح کرلی، اور جب واپس ہونے لگے تو حضرت ام حرامؓ ایک گھوڑے پر سوار ہونا چاہتی تھیں کہ اچانک گھوڑا بدک گیا، اور اس نے آپ کو زمین پر گرادیا، آپ اس زخم سے جاں بر نہیں ہوسکیں، اور وہیں پر جامِ شہادت نوش کیا۔ [1]

اس کے بعد جب حضرت معاویہؓ خلیفہ بنے تو آپ نے اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کیا۔ اس حملے میں بہت سے جلیل القدر صحابۂ کرامؓ شامل تھے جن میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی داخل ہیں۔ یہ مسلمانوں کی طرف سے قسطنطنیہ کا پہلا محاصرہ تھا جو کافی مدّت جاری رہا، اور حضرت ابوایوب انصاریؓ اسی محاصرے کے دوران بیمار ہوکر وفات پاگئے، اور قسطنطنیہ کی دیوار کے نیچے مدفون ہوئے، جس کا واقعہ ان شاء اللہ آگے ذکر کروں گا۔ بہر صورت! اس محاصرے میں قسطنطنیہ فتح نہ ہوسکا، اور لشکر واپس آگیا۔

اس کے علاوہ حضرت بشر بن سحیم رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث ان الفاظ میں مروی ہے، کہ: [2]

لتفتحن القسطنطنية، فلنعم الأمير أميرها ولنعم الجيش ذلك الجيش،

---

[1] صحیح البخاری۔ کتاب الجہاد، باب فضل من یصرع فی سبیل اللہ، حدیث ۲۷۹۹، وباب ماقیل فی قتال الروم، حدیث ۲۹۲۴۔

[2] مسند امام احمد ص ۳۳۵ ج ۴ احادیث بشر بن سحیمؓ۔

تم ضرور قسطنطنیہ فتح کر لو گے، پس بہتر امیر اس کا امیر ہوگا، اور بہتر لشکر وہ لشکر ہوگا۔

چنانچہ اس حدیث میں بیان کردہ سعادت کے حصول کیلئے بہت سے مسلمان حکمرانوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، ہشام بن عبدالملک، مہدی عباسی، ہارون رشید وغیرہ شامل ہیں۔

بعض محاصروں میں شہر کے گرد باقاعدہ مکانات بھی تعمیر کر لئے گئے، لیکن شہر فتح نہ ہو سکا۔ اوّل تو اس شہر کا محلِ وقوع ایسا تھا کہ اس کے گرد سمندر کی خلیجوں نے حصار سا قائم کیا ہوا تھا، دوسرے یہ پہاڑی علاقہ تھا جس میں سردیوں کا موسم خاص طور پر عرب کے صحرانشینوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتا تھا، تیسرے اس شہر کے گرد یکے بعد دیگرے تین فصیلیں تھیں، جن میں ایک سو ستر فٹ کے فاصلے سے مضبوط برج بنے ہوئے تھے، ہر فصیل انتہائی مستحکم تھی، اور پہلی اور دوسری فصیل کے درمیان ایک ناقابلِ عبور خندق بنی ہوئی تھی جو ساٹھ فٹ چوڑی اور سو فٹ گہری تھی، اور اس لحاظ سے یہ قلعہ دُنیا کا سب سے مستحکم اور ناقابلِ تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ چوتھے عیسائی دُنیا میں قسطنطنیہ کو جو سیاسی اور مذہبی مقام حاصل تھا، اس کے پیشِ نظر اس پر آنچ آتی دیکھ کر پوری عیسائی دُنیا اپنی جان کی بازی لگانے کیلئے تیار ہو جاتی تھی۔

ان وجوہ سے مسلمانوں کے یہ بیشتر محاصرے شہر کو فتح نہ کر سکے، بعض سلاطین کے زمانے میں اہلِ قسطنطنیہ خراج دینے پر آمادہ ہو گئے، لیکن شہر فتح نہ ہوا۔

سلجوقی ترکوں کے زوال کے بعد جب سلطنت عثمانیہ[1] قائم ہوئی، اور اس نے یونان اور

---

[1] خلافتِ عثمانیہ سلطان غازی عثمان کی طرف منسوب ہے، جو خلافت کا بانی ہے، اس کے والد ارطغرل خوارزم کے باشندے تھے، اور خوارزم پر چنگیزی حملے کے بعد وہاں سے ہجرت کر کے در بدر پھر رہے تھے، اتفاق سے وہ اناطولیہ کے علاقے میں ایک ایسی جگہ آنکلے جہاں سلجوقی سلطان علاؤالدین اپنے کسی مدِمقابل سے برسرِ پیکار تھا، ارطغرل نے بہادری سے سلجوقی سلطان کا ساتھ دیا، جس کے نتیجے میں وہ غالب آگیا۔ اس کارنامے کے صلے میں سلجوقی سلطان نے اس کو ایک خطۂ زمین بطور جاگیر عطا کر دیا، جس کا وہ سردار اور نواب سمجھا جاتا تھا، غازی عثمان خان اس کا وارث ہوا، اسے روم کے عیسائیوں سے جہاد کا شوق تھا، اور اسی شوق نے اس سے سلجوقی سلطنت کے خاتمے پر خلافتِ عثمانیہ کی بنیاد رکھوائی۔

ایشیائے کوچک کے بہت سے علاقے زیرِ نگیں کر لئے تو عثمانی سلاطین نے یورپ اور بالخصوص قسطنطنیہ کی طرف توجہ کی۔ سلاطین آلِ عثمان میں سے سب سے پہلے بایزید یلدرم نے آس پاس کی متعدد جنگی مہمات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد سنہ ۱۴۰۲ء میں قسطنطنیہ کا پوری قوت کے ساتھ محاصرہ کیا۔ بایزید اپنی شجاعت و بسالت اور جنگی تدبیروں کی وجہ سے یورپ کیلئے ایک صاعقۂ آسمانی سے کم نہ تھا، اور اسی وجہ سے اس کا لقب "یلدرم" مشہور ہوگیا تھا جس کے معنی "بجلی" کے ہیں، چنانچہ اُس میں ظاہری اسباب کے لحاظ سے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی پوری صلاحیت موجود تھی، اور قریب تھا کہ وہ اس مُہم میں کامیاب ہو جائے، لیکن بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر پیچھے سے تیمور لنگ نے اُس کے علاقے پر حملہ کر دیا، اور ایک بیٹے کو بھی قتل کر ڈالا، اس لئے بایزید یلدرم کو قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا کر واپس آنا پڑا، اور یہ ایک المیہ ہے کہ رومیوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے بجائے اُسے انقرہ کے مقام پر تیمور لنگ کے ساتھ ایک زبردست معرکہ پیش آگیا، اس معرکے میں تیمور کو فتح ہوئی، اس نے بایزید یلدرم کو گرفتار کر لیا، اور اسے ایک آہنی سلاخوں والی پالکی میں قید کر کے لے گیا۔ اور اسی قید میں اسکی وفات ہوگئی، اور اس طرح فتحِ قسطنطنیہ تقریباً پچاس سال پیچھے چلی گئی۔

بایزید کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں نے بھی اپنے اپنے دور میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، لیکن ان کو بھی عین محاصرے کے دوران عقبی بغاوتوں سے سابقہ پیش آیا، جن کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

سلطان محمد فاتحؒ :

بالآخر اللہ تعالیٰ نے فتحِ قسطنطنیہ کی سعادت خاندان آلِ عثمان کے ساتویں نوجوان خلیفہ سلطان محمد فاتح کی قسمت میں لکھی تھی، اس نوعمر شہزادے نے ۲۲ سال کی عمر میں خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تھی، لیکن اپنی خداداد صلاحیتوں سے وہ بہت جلد اپنے پیش رووں پر سبقت لے گیا۔ اُس نے بڑی باریک بینی سے اُن اسباب کا جائزہ لیا جو اب تک قسطنطنیہ کی فتح میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اور اپنے تدبر، شجاعت اور اولو العزمی کے ذریعے جنگ کا ایسا نقشہ تیار کیا جو بالآخر فتح پر منتج ہوا۔

اہلِ قسطنطنیہ کو لڑائی کے وقت عموماً دوسرے اہلِ یورپ سے جو امداد ملتی تھی، وہ بحیرۂ اسود سے آبنائے باسفورس میں داخل ہو کر قسطنطنیہ پہنچتی تھی، لہٰذا قسطنطنیہ کو اس کے حلیفوں سے کاٹنے کیلئے باسفورس پر مکمل قبضہ ضروری تھا۔ اس غرض کیلئے بایزید یلدرم نے باسفورس کے مشرقی (ایشیائی)

ساحل پر ایک قلعہ تعمیر کیا تھا، جو اناضول حصار کے نام سے مشہور ہے، اور اب تک موجود ہے۔ لیکن سلطان محمد فاتح نے محسوس کیا کہ صرف ایک کنارے پر واقع یہ قلعہ باسفورس پر مکمل کنٹرول کے لئے کافی نہیں، لہٰذا اُس نے اس قلعے کے بالمقابل یورپی ساحل پر ایک زبردست قلعہ تعمیر کیا جو "رومیلی حصار" کہلاتا ہے، اور جس کا قدرے تفصیلی تذکرہ میں ان شاء اللہ آگے کروں گا۔ اس قلعے کی تعمیر کے بعد باسفورس سے گذرنے والا ہر جہاز عثمانیوں کی دوطرفہ توپوں کی زد میں آگیا۔

قسطنطنیہ کی دیواریں توڑنے کیلئے معمولی توپیں کافی نہ تھیں، اس لئے محمد فاتح نے پیتل کی ایک ایسی توپ تیار کی جس کے برابر اُس وقت رُوئے زمین پر کوئی توپ موجود نہ تھی، جس کے ذریعے ڈھائی فٹ قطر کا آٹھ من وزنی گولہ ایک میل تک پھینکا جاسکتا تھا۔ جب اس توپ کا پہلا تجربہ کیا گیا تو گولہ ایک میل دُور گر کر زمین میں چھ فٹ نیچے دھنس گیا۔[1]

قسطنطنیہ چونکہ باسفورس، بحیرۂ مرمرا اور شاخِ زریں (گولڈن ہارن) نامی سمندروں سے گھرا ہوا ہے، اور اس کے صرف مشرقی جانب خشکی ہے، اس لئے اس پر کامیاب حملے کے لئے ایک طاقتور بحری بیڑہ بھی ضروری تھا، چنانچہ محمد فاتح نے ایک سو چالیس جنگی کشتیوں پر مشتمل ایک بیڑہ بھی تیار کرلیا۔

ان تیاریوں کے بعد سلطان نے قسطنطنیہ کا اس طرح محاصرہ کیا کہ بری فوج شہر کی مشرقی فصیل کے سامنے پہنچ گئی، اور بحری بیڑہ آبنائے باسفورس میں پھیل گیا۔ قسطنطنیہ کا محلِ وقوع کچھ ایسا ہے کہ باسفورس کی ایک پتلی سی شاخ ایک سینگ کی شکل میں مشرق کی طرف جاتی ہے۔ جو شاخِ زریں (گولڈن ہارن[2]) کہلاتی ہے۔ قسطنطنیہ کی بندرگاہ اسی گولڈن ہارن میں واقع تھی، لہٰذا باسفورس سے بندرگاہ یا شہر کی جنوبی دیوار کے سامنے پہنچنے کیلئے گولڈن ہارن سے گذرنا ضروری تھا۔ لیکن اہلِ قسطنطنیہ نے اس گولڈن ہارن کے اُس دہانے پر جو باسفورس میں گرتا ہے، لوہے کا ایک بڑا زنجیرہ باندھ دیا تھا جس کی وجہ سے کوئی جہاز باسفورس سے گولڈن ہارن میں داخل نہیں ہوسکتا لہٰذا محمد فاتح کے جہاز باسفورس میں محدود ہوگئے تھے، اور جہازوں کے ذریعہ بندرگاہ کا محاصرہ

---

[1] تاریخ خاندان عثمانیہ از انشاء اللہ ص ۳۳ و تاریخ دولت عثمانیہ از محمد عزیر ص ۷۰ و ۸۰ ج ۱۔

[2] "گولڈن ہارن" کے معنیٰ ہیں "سنہرا سینگ" یہ شاخ چونکہ سینگ کی شکل کی ہے، اور دھوپ پڑنے سے اس کا رنگ سنہرا ہوجاتا ہے، اس لئے اس کا نام "گولڈن ہارن" مشہور ہوگیا، اور آج بھی یہ اسی نام سے مشہور ہے۔

کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ فصیل پر حملہ صرف مشرق کے خشکی کے راستے سے ممکن تھا اور اہلِ شہر نے بحری سمت کو مکمل محفوظ سمجھ کر اپنی ساری طاقت مشرق کی فصیل پر لگادی تھی۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے قسطنطنیہ اور اس کے گرد و پیش کا ایک سرسری سا نقشہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے :-

سلطان محمد فاتح کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح اس کے کچھ جہاز آبنائے باسفورس سے گولڈن ہارن میں داخل ہو جائیں، تاکہ بندرگاہ کی سمت سے بھی شہر پر حملہ کیا جا سکے۔ لیکن گولڈن ہارن کے دہانے پر لوہے کا زنجیرہ بھی نصب تھا، اور اس کے آس پاس توپیں بھی گولہ باری کے لئے موجود تھیں، اور بڑے بڑے بازنطینی جہاز بھی گولڈن ہارن کے اندر سے زنجیرے کی مدافعت کیلئے کھڑے رہتے تھے، اس لئے اس راستے سے کامیابی ممکن نظر نہیں آتی تھی، بہت دن گذر گئے، لیکن گولڈن ہارن میں پہنچنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔
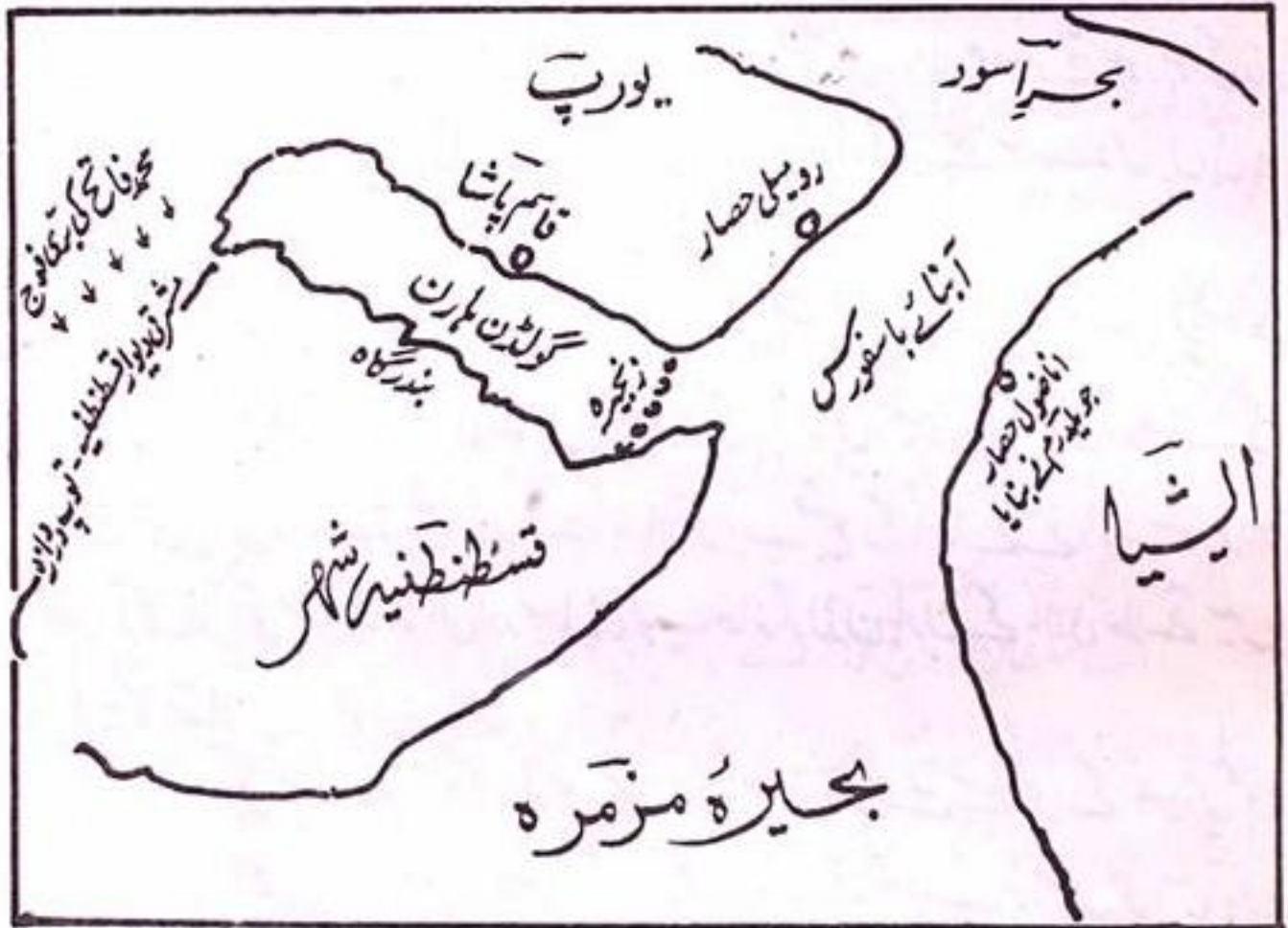
خشکی پر جہاز:

بالآخر ایک دن سلطان محمد فاتح نے ایک ایسا فیصلہ کیا جو دنیا کی تاریخ میں اس کی منفرد اور محیر العقول یادگار بنکر رہ گیا۔ اس کا فیصلہ یہ تھا کہ جہازوں کو گولڈن ہارن میں پہنچانے کے لئے انہیں دس میل خشکی پر چلا کر لیجایا جائیگا۔ اور اس غرض کیلئے باسفورس کے مغربی ساحل

سے جہاز خشکی پر چڑھا کر انہیں ایک ترچھے راستے سے گولڈن ہارن کے بالائی جنوبی کنارے تک پہنچایا جائیگا (جو آجکل قاسم پاشا کہلاتا ہے) اور وہاں سے انہیں گولڈن ہارن میں ڈال دیا جائے گا۔ خشکی کا یہ درمیانی علاقہ گبن کے بیان کے مطابق تقریباً دس میل لمبا اور سخت ناہموار اور پہاڑی اتار چڑھاؤ سے معمور تھا، لیکن محمد فاتح کی اولوالعزمی نے یہ محیر العقول عجوبہ صرف ایک رات میں کر دکھایا۔ اُس نے خشکی کے اس راستے پر لکڑی کے تختے بچھوائے۔ اُنہیں چکنا کرنے کیلئے اُن پر چربی ملوائی، پھر ستر جہاز نما کشتیوں کو یکے بعد دیگرے باسفورس سے ان تختوں پر چڑھا دیا۔ ہر کشتی میں دو ملاح سوار تھے، اور ہوا کی مدد لینے کیلئے بادبان بھی کھول دیئے گئے تھے، ان کشتیوں کو بیل اور آدمی کھینچتے ہوئے دس میل کی یہ پہاڑی مسافت طے کر کے گولڈن ہارن تک لیگئے۔

ستر کشتیوں کا یہ جلوس رات بھر مشعلوں کی روشنی میں محوِ سفر رہا۔ بازنطینی فوج قسطنطنیہ کی فصیل سے باسفورس کے مغربی ساحل پر مشعلوں کی چہل پہل دیکھتی رہی، لیکن اندھیرے کی وجہ سے سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ بالآخر جب صبح کے اُجالے نے راز سے پردہ اُٹھایا تو محمد فاتح کی ستر کشتیاں اور بھاری توپ خانہ گولڈن ہارن کے بالائی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔

دس میل خشکی پر جہاز چلانے کا یہ کارنامہ، جو محمد فاتح سے پہلے کسی کے تصور میں بھی نہ آیا ہوگا، اس قدر حیرت انگیز ہے کہ مغرب کے متعصب مؤرخین بھی اس پر حیرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایڈورڈ گبن جیسے مؤرخ نے بھی اس کو ایک "معجزہ" (MIRACLE) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔[1]

جب صبح کے اُجالے نے راز سے پردہ اُٹھایا تو محمد فاتح کی ستر کشتیاں اور بھاری توپ خانہ گولڈن ہارن کے بالائی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔

گولڈن ہارن میں عثمانی کشتیوں کے پہنچنے میں ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ یہاں سمندر کا پانی اُتھلا تھا، اور زیادہ گہرائی نہ ہونے کی وجہ سے بازنطینیوں کے بڑے جہاز اس میں آزادی سے نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے، اس کے برعکس عثمانی کشتیاں نسبتہً

---

[1] THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE. (abridged) P. 689, 690.

چھوٹی تھیں، اس لئے ان کے لئے حسبِ منشا آمد و رفت میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ چنانچہ یہاں کی بحری لڑائی میں عثمانی کشتیوں کو غالب آنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی، اور بندرگاہ کی جانب سے بھی شہر کا بحری محاصرہ مکمل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی محمد فاتح نے گولڈن ہارن پر ایک پُل تعمیر کیا، اور اس پر اپنا بھاری توپ خانہ نصب کرا دیا۔

مشرق اور جنوب دونوں طرف سے محاصرے کی گرفت مضبوط ہونے کے بعد عثمانی توپوں نے دونوں طرف سے شہر کی فصیلوں پر زبردست گولہ باری شروع کی، اور سات ہفتوں کی متواتر گولہ باری کے بعد دیواروں میں تین مقامات سے بڑے بڑے شگاف نمودار ہو گئے، اور گبن کے الفاظ میں: "وہ فصیلیں جو صدیوں سے ہر دشمن کے تشدد کا مقابلہ کر رہی تھیں، عثمانی توپوں نے ہر طرف سے ان کا حلیہ بگاڑ دیا، ان میں بہت سے شگاف پڑ گئے، اور سینٹ رومانوس کے دروازے (جو بعد میں توپ دروازہ یا توپ کاپے کے نام سے مشہور ہوا) کے قریب چار مینار زمین کی سطح کے برابر ہو گئے"۔

اب سلطان محمد فاتح کو آخری حملے کی کامیابی کا یقین ہو چکا تھا، لیکن اس نے حملے سے پہلے ۱۵ جمادی الاولیٰ ۸۵۷ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۴۵۳ء کو بازنطینی بادشاہ قسطنطین کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال کر شہر سپرد کر دے تو رعایا کی جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، اور موریا کا علاقہ اسے دیدیا جائے گا۔ لیکن قسطنطین نے یہ پیشکش منظور نہ کی، اور اس طرح پانچ دن بعد سلطان محمد نے آخری اور فیصلہ کن حملے کا فیصلہ کر لیا۔

آخری حملہ اور فتح:

چنانچہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۸۵۷ھ کی رات عثمانی فوجوں نے ذکر و تسبیح اور دعاؤں میں گذاری، نمازِ فجر کے بعد محمد فاتح نے عام حملے کا حکم دیدیا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ہم ان شاء اللہ ظہر کی نماز آیا صوفیا کے کلیسا میں ادا کرینگے۔ حملہ مختلف سمتوں سے جاری رہا، لیکن زیادہ زور سینٹ رومانس کے دروازے پر تھا جو اب توپ کاپے کہلاتا ہے، کیونکہ یہاں کی دیوار بہت مجروح ہو چکی تھی، خندق کو اوپر اوپر سے عبور کرنے کیلئے سیڑھیاں اور کندیں ڈال دی گئی تھیں دوپہر تک دونوں طرف سے آگ اور خون کا زبردست معرکہ جاری رہا، بازنطینی بھی اس روز غیر معمولی شجاعت کے ساتھ لڑے، دوپہر تک کوئی ایک سپاہی شہر میں داخل نہ ہو سکا، بالآخر سلطان محمد فاتح خود اپنی خصوصی فوج ینی چری کو لیکر سینٹ رومانس کے دروازے کی طرف بڑھا،

اور ینی چری کا سردار آغا حسن اپنے تیس جانباز ساتھیوں کے ساتھ دیوار پر چڑھ گیا، حسن اور اس کے اٹھارہ ساتھی فوراً فصیل سے گرا دیئے گئے، اور انہوں نے جام شہادت نوش کیا، لیکن بارہ ساتھی دیوار پر جمنے میں کامیاب ہو گئے، اور اس کے بعد دوسرے عثمانی دستے بھی یکے بعد دیگرے پہنچتے گئے، اور اس طرح دیوار قسطنطنیہ پر سرخ ہلالی پرچم لہرا دیا گیا۔

بازنطینی بادشاہ قسطنطین جو اب تک بے جگری سے حالات کا مقابلہ کر رہا تھا، اپنے بعض انتہائی بہادر ساتھیوں کے حوصلہ چھوڑ دینے کے بعد مایوس ہو گیا، اور اس نے پکار کر کہا کہ "کیا کوئی عیسائی نہیں ہے جو مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دے؟" لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو اس نے شاہان روم (قیاصرہ) کی خاص پوشاک اتار کر پھینک دی، اور عثمانی فوج کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں گھس کر ایک سپاہی کی طرح بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا، اور اس کی موت پر اس گیارہ سو سال کی بازنطینی سلطنت روما کا خاتمہ ہو گیا جس کی ابتدا بھی قسطنطین سے ہوئی تھی، اور انتہا بھی قسطنطین پر ہوئی، اور اس کے بعد "قیصر" کا لقب ہی ایک تاریخی داستان بنکر رہ گیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد پورا ہوا کہ:

إذا هلك قيصر، فلا قيصر بعده

جب قیصر ہلاک ہوگا تو پھر کوئی قیصر پیدا نہیں ہوگا۔

ظہر کے وقت سلطان محمد فاتح اپنے وزراء اور سرداروں کے جلو میں شہر کے سینٹ رومانس کے دروازے سے داخل ہوا، اور سب سے پہلے قسطنطنیہ کے شہرہ آفاق کلیسا ایا صوفیا کے دروازے پر پہنچ کر گھوڑے سے اترا، کلیسا کی دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں، انہیں مٹا کر دھویا گیا، سلطان کی ہدایت پر یہاں مؤذن نے اذان کہی، اور شرک و کفر کے اس مرکز میں پہلی بار "أشهد أن لا إله إلا الله" "أشهد أن محمدا رسول الله" کی زمزمہ بار صدا گونجی۔ سلطان نے نماز ظہر یہیں ادا کی، اور اس وقت سے اس کلیسا کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔

اس کے بعد سلطان شاہی محلات میں داخل ہوا۔ یہ زرق برق محلات جو صدیوں سے قیاصرہ کی شان و شوکت اور ان کے طمطراق کے مظہر تھے، آج ویران پڑے ہوئے تھے، سلطان محمد فاتح کے دل پر اس عبرتناک منظر کا ایسا اثر ہوا کہ بیساختہ فردوسی کا یہ شعر اس کی زبان پر آ گیا؎

پردہ داری می کند بر قصر قیصر عنکبوت

جغد نوبت میزند بر گنبد افراسیاب

یہ تھا فتح قسطنطنیہ کا وہ واقعہ جس کے بعد قسطنطنیہ (استنبول) خلافت عثمانیہ کا مرکز بنا، اور صدیوں

تک اُسے عالمِ اسلام میں نمایاں مرکزیت حاصل رہی۔

افسوس یہ ہے کہ اس وقت سلاطینِ آلِ عثمان کی تاریخ کے اہم ترین مآخذ انگریزی میں ہیں، اور اس موضوع کی اور بیشتر کتابیں اُن مغربی مؤرخین کی لکھی ہوئی ہیں جن کی تحریریں تعصب کی چھاپ سے خالی نہیں ہوتیں۔ مسلمانوں کی لکھی ہوئی تاریخیں یا تو انہی انگریزی مآخذ سے مأخوذ ہیں، یا پھر وہ تُرکی زبان میں ہیں جن سے ترکی کے باہر کے مسلمان مستفید نہیں ہوسکتے۔ اس لئے نہ جانے کتنے حقائق ابھی تک پردۂ راز میں ہونگے جن تک رسائی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

بہر صورت! یہ ساری تاریخ جو اوپر بیان ہوئی، انہی مغربی مآخذ اور ان پر مبنی اردو تواریخ کا خلاصہ ہے۔ اس خلاصے کے بعد میں اب اپنے اصل موضوع یعنی سفرنامے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

(باقی آئندہ)

محمد عمران اشرف عثمانی
متعلم عالیہ سال اول دارالعلوم کراچی

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

دوسری اور آخری قسط

اس رات سخت سردی اور تیز ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے اور ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے کوئی خاص مشورہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن اس نے سوچا کہ کہیں اس کے مشورہ کے دوران دشمن کا کوئی جاسوس نہ آگیا ہو۔ اپنے اطمینان کیلئے اس نے حاضرین سے کہا کہ میری تقریر سے پہلے آپ سب لوگ یہ اچھی طرح دیکھ لیں کہ کہیں دشمن کا کوئی جاسوس آپ کے ساتھ بیٹھا ہوا نہ ہو، اتفاقاً اسی مجلس میں حضرت حذیفہؓ بھی موجود تھے، اور ابوسفیان کے اس اعلان کے بعد پورا خطرہ تھا کہ ان کے برابر بیٹھا ہوا شخص ان سے اتہ پتہ پوچھ بیٹھے تو سارا راز کھل جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فراستِ ایمانی عطا فرمائی تھی، اس سے پہلے کہ آپ کے ساتھ بیٹھا ہوا شخص آپ کی طرف متوجہ ہو، آپ نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسی سے سوال کر دیا کہ "تم کون ہو؟" بجائے اس کے کہ وہ آپ سے سوال کرتا، خود اس کو اپنی صفائی پیش کرنی پڑ گئی، چنانچہ اس نے کہا کہ "میرا یہ نام ہے اور میں ان صاحب کا بیٹا ہوں"۔ اپنی صفائی کی گھبراہٹ میں اُسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ وہ حضرت حذیفہؓ سے کچھ پوچھتا۔ اس طرح یہ معاملہ ٹل گیا۔ اب ابوسفیان نے اپنی تقریر شروع کی اور کہا: "اے قومِ قریش! بیشک تم ایسی جگہ پر ہو جو اب ٹھہرنے کی نہیں ہے، ہمارے ہتھیار اور سواریاں تباہ ہوتی جارہی ہیں، بنو قریظہ (یہودیوں) نے ہم سے منہ موڑ لیا ہے اور ان کے بارے میں ناخوشگوار اطلاعات پہنچی ہیں جس سے ہمیں افسوس ہوا ہے۔ اور اِدھر ہم پر یہ ہوا کا طوفان آیا ہوا ہے جو آپ سب کے سامنے ہے، خدا کی قسم اس ہوا کی وجہ سے ہماری ہانڈیاں تک اپنی جگہ نہیں ٹکتیں، اور آگ بھی نہیں جلتی، اس کے علاوہ سب خیمے اور عمارتیں اڑی جارہی ہیں، اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیئے تم لوگ جاؤ یا نہ جاؤ، میں تو جارہا ہوں"۔ یہ کہکر ابوسفیان اُٹھ کر چلا گیا۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں واپس لوٹا تو ایسا لگتا تھا کہ میں کسی گرم حمام میں چل رہا ہوں اور میں نے واپس آنے کے بعد دشمن کے بارے میں سب کو بتایا۔ جب میں فارغ ہوا تو

مجھے سردی لگنی شروع ہوئی، اس موقع پر مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فاضل عبا مجھے پہنائی، یہ وہ عبا تھی جس کو پہن کر آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں اتنا تھک گیا تھا کہ میں اپنے خیمہ میں سوتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی، جب صبح ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اٹھانے آئے اور فرمایا: قم یا نومان! "نیند کے رسیا! اب اٹھ کھڑے ہو"[۱] (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد:

حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ کے زمانۂ خلافت میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے، حضرت حذیفہؓ نہاوند کی جنگ میں بھی شریک رہے اور حضرت نعمان ابن مقرنؓ (جو امیر جیش تھے) ان کی شہادت کے بعد آپ امیر جیش مقرر ہوئے اور نہاوند، ری، ہمدان، دینور یہ سب پھر آپ کے ہی ہاتھ سے ۲۲ھ ہجری میں فتح ہوئے، اسیطرح آپ الجزیرۃ کی فتح میں بھی شریک رہے۔[۲]

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایران[۳] کے دارالحکومت مدائن، کا گورنر بنا کر بھیجا۔

حضرت عمرؓ جب کسی صحابی کو کسی علاقہ کا گورنر بنا کر بھیجتے تھے تو عام طور پر اس علاقے کے لوگوں کے نام رقعہ میں یہ الفاظ تحریر فرماتے تھے "..... وقد بعثت فلانا وامرتہ بکذا ......" یعنی "میں فلاں کو گورنر بنا کر بھیج رہا ہوں اور میں نے اس کو فلاں فلاں کاموں کا حکم دیا ہے"۔ لیکن جب آپ نے حضرت حذیفہ ابن یمانؓ کو گورنر بنا کر بھیجا تو اس رقعہ میں یہ بھی اضافہ فرمادیا: أن اسمعوا لہ واطیعوا واعطوہ ماسألکم یعنی "ان کی باتیں سنو ان کی اطاعت کرو اور جو کچھ یہ مانگیں، ان کو دیدو"۔ مگر حضرت حذیفہؓ گورنر بن کر اس شان سے جارہے تھے کہ دراز گوش پر سوار تھے اور ہاتھ میں صرف ہڈی دار گوشت اور روٹی تھی جو آپ کے راستہ کا توشہ تھا۔

جب آپ اس شان سے گورنر بن کر مدائن پہنچے تو وہاں کے رؤسا نے آپ کا استقبال کیا۔ اور جب حکمنامہ پڑھا جس میں لکھا تھا کہ آپ کی اطاعت کی جائے اور جو آپ طلب فرمائیں وہ دیدیا جائے۔ تو ان رؤسا نے کہا: کہ "آپ ہم سے جو چاہیں طلب فرمائیں آپ کا حکم ہمارے لئے باعث فخر ہے"۔ تو حضرت حذیفہؓ نے جواباً فرمایا: کہ "میں صرف تم سے اپنے

---

[۱] رواہ مسلم ج ۲ ص ۱۰۷ باب غزوۃ الاحزاب وجامع الاصول ج ۸ ص ۳۷۰ وتاریخ الطبری ج ۲ فی سنہ ۵ ص ۲۴۴۔

[۲] اسد الغابۃ ج ۱ ص ۳۹۱۔ [۳] اس وقت یہ ایران کا دارالحکومت تھا اب یہ عراق کا ایک شہر ہے۔

لئے کھانا اور گھوڑے کے لئے چارہ طلب کرتا ہوں، بس یہی میرے لئے کافی ہے"۔ [۲]

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ منورہ آنے کیلئے کہا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وہاں سے چل دیئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کے راستہ میں چھپ کر کھڑے ہو گئے مقصد یہ تھا کہ دیکھیں کہ مدائن سے کتنا ساز و سامان ساتھ لا رہے ہیں، جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو دیکھا کہ آپ بالکل خالی ہاتھ تشریف لا رہے ہیں اور اسی حال میں واپس تشریف لا رہے ہیں جس میں گئے تھے تو آپ بہت خوش ہوئے اور ان کو گلے سے چمٹایا اور فرمایا: انت اخی وانا اخوك یعنی تم میرے اور میں تمہارا بھائی ہوں۔ [۴]

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات:

حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۶ھ مدائن میں ہوئی اور آپ کی وفات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ٹھیک چالیس روز بعد ہوئی۔ وفات سے پہلے آپ پر عجیب کیفیت طاری تھی، نہایت خوف زدہ تھے اور شدید گریہ و بکا میں مصروف تھے، لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو بولے کہ دنیا کے چھوڑنے کا غم نہیں موت مجھ کو بہت محبوب ہے، لیکن اس لئے رو رہا ہوں کہ معلوم نہیں وہاں کیا حالات پیش آئیں گے؟ جس وقت آپ آخری سانس لے رہے تھے، اس وقت فرمایا: "یا اللہ! اپنی ملاقات کو میرے لئے مبارک کرنا کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ آپ مجھے کتنے محبوب ہیں"۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہو گئی۔

وفات کے وقت آپ نے اپنے دو بیٹوں صفوان اور سعید کو وصیت کی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کریں، چنانچہ ان دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت فرمائی، جبکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت فرمائی تھی۔ [۳]

اولاد آپ نے حسب ذیل چھوڑی: ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ، صفوان رضی اللہ عنہ، سعید رضی اللہ عنہ۔ صاحب طبقات ابن سعد کے زمانہ میں آپ کی اولاد مدائن میں موجود تھی۔ جن میں سے صفوان اور سعید جنگ صفین میں (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی تھی) شہید ہوئے۔ [۴]

ایک عجیب ایمان افروز واقعہ:

یہ عجیب واقعہ میرے محترم والد حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے سفرنامۂ عراق یعنی "راس امید سے دجلہ تک" میں تحریر فرمایا تھا اور اب اس واقعہ کا مضمون بعینہٖ یہاں پیش خدمت ہے۔

---

[۲] سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص ۳۶۶۔ و سقوط المدائن ونهاية الدولة الساسانية۔ طبع فی بیروت ص ۱۳۹ و ص ۱۴۰۔ [۴] ایضاً

[۳] سقوط المدائن ص ۱۴۰۔ [۴] سیر الصحابہ ج ۲ ص ۲۱۱ و سقوط المدائن ص ۱۴۰۔

[۵] ملاحظہ ہو: ماہنامہ البلاغ کراچی، محرم الحرام ۱۴۰۶ھ راس امید سے دجلہ تک قسط ۵۔

"حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات کے ساتھ اسی صدی میں ایک عجیب و غریب اور ایمان افروز واقعہ رونما ہوا جو آج کل بہت کم لوگوں کو معلوم ہے، یہ واقعہ میں نے پہلی بار جناب مولانا ظفر احمد انصاری مدظلہم سے سُنا تھا۔ پھر بغداد میں وزارتِ اوقاف کے ڈائرکٹر تعلقات عامہ جناب خیر اللہ حدیثی صاحب نے بھی اجمالاً اس کا ذکر کیا۔

یہ ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے، اس وقت عراق میں بادشاہت تھی۔ حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں اس وقت یہاں (جامع مسجد سلمان کے احاطے میں) نہیں تھی، بلکہ یہاں سے کافی فاصلہ پر دریائے دجلہ اور مسجد سلمان کے درمیان کسی جگہ واقع تھیں۔

۱۹۲۹ء میں بادشاہ وقت نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور عبداللہ بن جابرؓ اس سے فرمارہے ہیں کہ ہماری قبروں میں پانی آرہا ہے اس کا مناسب انتظام کرد۔ بادشاہ وقت نے حکم دیا کہ دریائے دجلہ اور قبروں کے درمیان کسی جگہ کھُدائی کرکے دیکھا جائے کہ دجلہ کا پانی اندرونی طور پر قبروں کی رس رہا ہے یا نہیں۔ کھدائی کی گئی لیکن پانی رسنے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس واقعہ کو ایک خواب سمجھ کر نظر انداز کردیا۔

لیکن اس کے بعد پھر۔ غالباً ایک سے زیادہ مرتبہ۔ وہی خواب دکھائی دیا جس سے بادشاہ کو بڑی تشویش ہوئی، اور اس نے علماء کو جمع کرکے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا، ایسا یاد پڑتا ہے کہ اس وقت عراق کے کسی عالم نے بھی بیان کیا کہ انہوں نے بھی بعینہٖ یہی خواب دیکھا ہے۔ اس وقت مشورہ اور بحث و تمحیص کے بعد رائے یہ قرار پائی کہ دونوں بزرگوں کی قبر مبارک کو کھول کر دیکھا جائے۔ اور اگر پانی وغیرہ آرہا ہو تو ان کے جسموں کو منتقل کیا جائے۔ اس وقت کے علماء نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔

چونکہ قرونِ اولیٰ کے دو عظیم بزرگوں اور صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں کو کھولنے کا یہ تاریخ میں پہلا واقعہ تھا، اس لئے حکومتِ عراق نے اس کا بڑا زبردست اہتمام کیا، اس کے لئے ایک تاریخ مقرر کردی، تاکہ لوگ اس عمل میں شریک ہوسکیں، اتفاق سے وہ تاریخ ایامِ حج کے قریب تھی جب اس ارادہ کی اطلاع حجاز پہنچی تو وہاں حج پر آئے ہوئے لوگوں نے حکومتِ عراق سے درخواست کی کہ اس تاریخ کو قدرے مؤخر کردیا جائے تاکہ حج سے فارغ ہوکر جو لوگ عراق آنا چاہیں وہ آسکیں، چنانچہ حکومتِ عراق نے حج کے بعد ایک تاریخ مقرر کردی۔

کہا جاتا ہے کہ مقررہ تاریخ پر نہ صرف اندرونِ عراق بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی خلقت کا اس قدر ازدحام ہوگیا کہ حکومت نے سب کو یہ عمل دکھانے کے لئے بڑی بڑی اسکرینیں دور تک فٹ کیں تاکہ جو لوگ براہِ راست قبروں کے پاس یہ عمل نہ دیکھ سکیں وہ ان اسکرینوں پر اس کا عکس دیکھ لیں۔

اس طرح یہ مبارک قبریں کھولی گئیں اور ہزارہا افراد کے سمندر نے یہ حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تقریباً تیرہ صدیاں گذرنے کے باوجود دونوں بزرگوں کی نعشہائے مبارک صحیح سالم و تر و تازہ تھیں۔ بلکہ ایک غیر مسلم ماہر امراضِ چشم وہاں موجود تھا۔ اس نے نعشِ مبارک کو دیکھ کر بتایا

کہ ان میں ابھی تک وہ چمک موجود ہے جو کسی مُردے کی آنکھوں میں انتقال کے کچھ دیر بعد بھی موجود نہیں رہ سکتی، چنانچہ وہ شخص یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔

نعشِ مبارک کو منتقل کرنے کیلئے پہلے سے حضرت سلمان فارسیؓ کے قریب جگہ تیار کرلی گئی تھی، وہاں تک لیجانے کیلئے نعشِ مبارک کو جنازہ پر رکھا گیا اس میں لمبے لمبے بانس باندھے گئے اور ہزارہا افراد کو کندھا دینے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس طرح اب دونوں بزرگوں کی قبریں موجودہ جگہ پر بنی ہوئی ہیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد انصاری صاحب مدظلہم کا بیان ہے کہ ۱۹۲۹ء کا یہ واقعہ مجھے یاد ہے اس زمانہ میں اخبارات کے اندر اس کا بڑا چرچا ہوا تھا۔ اور اس وقت ہندوستان سے ایک نوابی گھرانے کا ایک جوڑا عراق گیا ہوا تھا، ان دونوں میاں بیوی نے یہ واقعہ بچشمِ خود دیکھا اور غالباً بیوی نے اپنے اس سفر کی رُوداد ایک سفرنامہ میں تحریر کی جو کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اور اس کی ایک کاپی حضرت مولانا مدظلہم کے پاس ہے۔

اس سفرنامہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس وقت کسی غیر ملکی فرم کے ذریعہ اس پورے عمل کی عکس بندی بھی کی گئی تھی۔ اور بہت سے غیر مسلم بھی یہ واقعہ بطورِ خاص دیکھنے آئے تھے، وہ اس اثرانگیز منظر سے نہ صرف بہت متاثر ہوئے، بلکہ بہت سے لوگوں نے اس منظر کو دیکھ کر اسلام قبول کیا۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ اور اپنے دین کی حقانیت کے ایسے معجزے کبھی کبھی دکھلاتے ہیں۔

سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتّٰی یتبین لھم انہ الحق،

ہم ان کو آفاق میں بھی اور خود ان کے وجود میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے، تاکہ ان پر یہ بات واضح ہوجائے کہ یہی (دین) حق ہے۔

آپؓ کے فضائل و کمالات:

اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال آپ غزوہ خندق کے سلسلہ میں پڑھ چکے ہیں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک شخص بھی اُس حال اور اس موسم میں مشرکین کے لشکر میں جانے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ لیکن حضرت حذیفہؓ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی خوشخبری اور بشارت حاصل کی۔

ایک مرتبہ راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی اور آپؐ ان کی طرف بڑھے تو فرمایا کہ میں جنبی ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن نجس نہیں ہوتا۔ [1]

غزوہ خندق کی رات کو جب مشرکین کی خبر لائے تو آپ نے آپؓ کو اپنا کمبل اُڑھایا اور صبح قم یا نومان! کہکر اٹھایا۔ [2]

ایک روز آپ کی والدہ محترمہ نے آپ سے کہا کہ تم آنحضرتؐ کی خدمت میں کب سے

---

[1] مسند امام احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۳۸۳۔ [2] صحیح مسلم و مسند امام احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۳۹۳۔

نہیں گئے، انہوں نے مدت بیان کی تو بہت خفا ہوئیں، حضرت حذیفہؓ بولے: "اچھا چھوڑیئے میں جاتا ہوں اور آپ کے لئے دعائے مغفرت کراتا ہوں"۔ یہ کہکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز حضورؐ کے ساتھ پڑھی، جب حضورؐ عشاء کے بعد واپس اپنے حجرہ میں جانے لگے تو آپؓ بھی پیچھے ہو لئے، حضورؐ کسی سے بات چیت میں مشغول تھے، جب فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ "تم کون ہو؟"۔ حضرت حذیفہؓ بولے کہ "حذیفہ ہوں"۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: حذیفہ کیا تم جانتے ہو کہ جنت میں میرے ساتھ کون ہوگا؟ تو حذیفہؓ بولے: "نہیں معلوم"۔ حضورؐ نے فرمایا: "جبرئیل امینؑ تشریف لائے تھے اور انہوں نے مجھے خوشخبری دی ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے"۔ اس کے بعد حضرت حذیفہؓ نے آنحضرتؐ سے اپنے لئے اور اپنی والدہ کیلئے دعاء مغفرت کی درخواست کی، آپؐ نے فرمایا: "غفر اللہ لک یا حذیفۃ ولامک" "اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمہاری والدہ (ماں) کی مغفرت کرے"۔ [1]

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کے لئے لیٹتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے تھے اور اس کے بعد فرمایا کرتے: اللّٰھم باسمك احیا و باسمك اموت اور جب سر کر اٹھتے تو فرماتے: الحمد للہ الذی احیانی بعدما اماتنی والیہ النشور۔ [2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بہت سے اہم کام سپرد فرمائے، چنانچہ عہدِ رسالت کی پہلی مردم شماری آپ کے ذریعے کروائی تھی، حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "مسلمانوں کی مردم شماری کرو"۔ تو میں نے مسلمانوں کو شمار کیا، اس وقت مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی۔ [3]

زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ یہ چاہتے ہوں گے کہ وہ اپنے گھروں کو سونے چاندی و جواہرات سے بھر کر ان تمام کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں لیکن میں ایسے اشخاص کی تمنا کرتا ہوں جو ابو عبیدہؓ، معاذ بن جبلؓ اور حذیفہ ابن یمانؓ کے جیسے ہوں اور میں ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کروں۔ [4]

ایک شخص نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ کونسا ہوگا؟ تو آپؓ نے فرمایا: اچھائی اور برائی دونوں تمہارے سامنے ہوں، لیکن تمہیں یہ پتہ نہ ہو کہ ہم کس کو اختیار کریں۔ [5]

---

[1] مسند امام احمد ابن حنبلؒ ج ۵ ص ۳۹۲۔ [2] مسندِ احمد، ج ۵ ص ۳۸۷۔ [3] اخرجہ مسلم کتاب الایمان (۱۴۹)

[4] اسد الغابۃ ج ۱ ص ۳۹۱ و ص ۳۹۲۔ [5] اسد الغابۃ ج ۱ ص ۳۹۱۔

حضرت حذیفہؓ کے رواۃ حدیث:

آپ سے احادیث کی روایت کرنے والے حضرات مندرجہ ذیل ہیں:-

ابو وائل، زر ابن حبیش، زید بن وھب، ربعی ابن حراش، صلۃ ابن زفر، ثعلبۃ ابن زھدم، ابوالعالیۃ الریاحی، عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی، مسلم ابن نذیر، ابو ادریس الخولانی، قیس ابن عباد، ابوالبختری الطائی، نعیم ابن ابی ھند و ھمام ابن حارث وغیرھم۔

حضرت حذیفہؓ سے بہت سی احادیث مروی ہیں، صاحب خلاصہ نے آپ کی احادیث ننانوے سے اوپر شمار کی ہیں، جن میں سے بارہ حدیثیں صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں مذکور ہیں، آٹھ صرف بخاری میں مروی ہیں اور سترہ صرف مسلم شریف میں۔ [۱]

واللہ اعلم بالصواب

---

[۱] سیر الصحابۃ ج ۱ ص ۲۱۱ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۶۱

غلطی کے بعد توبہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا۔ "ہر ابنِ آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں"

مطلب یہ کہ خطا، تو ہر آدمی سے ہو ہی جاتی ہے۔ انسان خطا کا پُتلا ہے لیکن خطا پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے، اس لئے فرمایا کہ سب سے بہتر خطا کار وہ ہیں جو بکثرت توبہ کرنے والے ہوں، راز اس کا یہ ہے کہ توبہ و انابت الی اللہ عبدیت کا اعلیٰ مقام ہے، پس جب بندہ خطا و گناہ کے بعد توبہ و استغفار کرتا ہے اور اُسے رجوع الی اللہ کی توفیق ہو جاتی ہے تو اس کی برکت سے حق تعالیٰ جل شانہٗ نہ صرف اس کا گناہ معاف فرما دیتے ہیں بلکہ اس پر مزید لطف و انعام بھی فرماتے ہیں۔

جناب محمد نسیم صاحب مدظلہ پی سی ایچ سوسائٹی - کراچی

البلاغ

۴۵

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحبؒ

دوسری قسط

مریض کو خوش کرنا ہنسانا بھی مرض کو رفع کر دیتا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا صہیب تمہاری آنکھ دکھ رہی ہے تم کھجور نہ کھاؤ انہوں نے عرض کیا ۔ یا رسول اللہ میں اس طرف سے چبا رہا ہوں جس طرف کی آنکھ نہیں دکھ رہی ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنس پڑے ۔ (ابن ماجہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کس چیز کی خواہش ہے اور تمہاری طبیعت چاہ رہی ہے اس نے عرض کیا گندم کی روٹی یا کعک کو طبیعت مانگ رہی ہے آپ نے فرمایا کسی کے یہاں گندم کی روٹی ہو تو اسے لائے اور فرمایا مریض جس چیز کی خواہش کرے اسے کھلا دیا کرو (ابن ماجہ)

اسی طرح مزاج کی بھی رعایت کرنی چاہیئے جس کا سرد مزاج ہے ۔ اسے شہد فائدہ دے گا ۔ گرم مزاج والوں کو نقصان دے گا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاجوں میں اس کی رعایت ہوتی تھی چنانچہ اعتدال پیدا کرنے کے لئے آپ نے گرم و تر چیزیں کھانے کو فرمایا ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی اور کھیرے کے ساتھ کھجور ملا کر کھایا کرتے تھے ۔ (صحیحین)

کیلا کھجور دوسرے درجے میں گرم تر ہے بارد معدے کو مفید ۔ قوت باہ کو بڑھاتا ہے ۔ مگر پیاس لگاتا ہے ۔ خون گاڑھا کرتا ہے معدے اور مثانے میں درد پیدا کرتا ہے دانتوں کے لئے مضر ہے ۔

ککڑی کھیرا دوسرے درجے میں ٹھنڈا تر ہے پیاس کو بجھاتا ہے ۔ سونگھنے سے قوی ابھرتے ہیں معدے کی حرارت کم کرتا ہے ان کے بیج کوٹ کر پانی میں ملا کر پینے سے پیاس رفع ہو جاتی ہے پیشاب لاتا ہے معدے کے درد کے لئے نافع ہے کوٹ چھان کر دانتوں پر ملنے سے دانتوں کو سکون ملتا ہے ملا دینے سے دونوں میں اصلاح اور اعتدال ہو جاتا ہے اور اصلاح ہو جاتی ہے یہ بھی علاج کا ایک اصول ہے جیسے سنا مکی کو شہد اور گھی اصلاح کر دیتا ہے ۔

مریض کو کھانے پر مجبور نہ کریں

حدیث شریف میں ہے مریض کو کھانے پر مجبور نہ کرنا چاہیئے (ترمذی)

بات یہ ہے کہ طبیعت مرض کا مقابلہ کرتی ہے اس وقت اسے کھانے کی حاجت نہیں ہوتی اس وقت کھانے پر مجبور کر کے اس کی طبیعت کے مقابلے کو کمزور کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے کھلاتا اور پلاتا ہے اس وقت مفرحات دینا اچھا ہے۔

اور بلغم خون پک جانے سے بنتا ہے۔ عمدہ خون ہو تو وہ خوراک لیتا ہے کھانا بند کرنے سے بلغم کو روکتا ہے تاکہ خون صالح پیدا ہو اس موقعہ پر خوراک دیگر خون صالح بننے سے روکتا ہے۔

طبیعت ایک ضروری امر میں لگی ہوئی ہے کھانا کھلا کر اسے نہ روکو اس مریض کو بھوک نہیں لگ رہی ہے۔ تم اس کا سبب بھی ہے جیسے مثلاً اسے رنج وغم ہے یا الم مرض ہے ایسے وقت بھوک خود بھاگ جاتی ہے کیوں کہ طبیعت اس سے زیادہ مشغول رکھنے والی بات کی طرف متوجہ ہے۔

کھانے میں مکھی پڑ جانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے کھانے میں مکھی گر جائے تو اسے اس میں غوطہ دیدیا کرو کیونکہ وہ زہریلا پر پہلے ڈالتی ہے اور شفا والا پر اوپر رکھتی ہے (صحیحین)

یہ بات مشکوٰۃ نبوت ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ کہا گیا ہے اگر بھڑ یا بچھو کاٹ لے تو اس پر مکھی مار کر مل دی جائے تو سکون آ جاتا ہے یہ اس لئے کہ اس کے ایک پر میں شفا ہے۔ آنکھ میں گو ہنجنی ہو جائے تو مکھی کا سر کاٹ کر لگایا جائے تو ٹھیک ہو جاتی ہے۔

دو چیزیں جن کو ایک ساتھ کھانا منع ہے

اعتدال کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مچھلی اور دودھ ایک ساتھ نہیں کھاتے۔ فقط اس لئے کہ دو چیزیں دونوں گرم ہوں یا دونوں سرد ہوں دونوں قابض ہوں یا دونوں مسہل ہوں یا دونوں غلیظ ہوں مثلاً قابض ہوں۔ قابض و مسہل جمع نہیں کریں یا مثلاً بھونا ہوا اور تازہ گوشت اور انڈا یا باسی انڈا اور گوشت اور دودھ یہ سب اعتدال قائم رکھنے کی وجہ احتیاطاً منع کیا جاتا ہے۔ بلکہ آپ اعتدال قائم کرنے کے لئے ملانے کا حکم دیتے تھے مثلاً جیسے چھوارے یا کھجور کو گھی کے ساتھ پکالیں اسے حیس کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحت کا بہت خیال فرماتے تھے۔

فرماتے تھے کہ عشاء کے بعد کچھ کھالینا چاہیئے۔ چاہے چند چھوارے ہی ہوں۔ شام کا کھانا چھوڑنے سے بڑھاپا جلدی آتا ہے (ابن ماجہ)

اطباء نے کہا ہے کہ شام کا کھانا کھاتے ہی نہ سوئے بلکہ چہل قدمی کرے یا نماز پڑھ لے اس طرح ریاضت و قعت کے بعد پانی نہ پیتے۔ ایسے جماع کے بعد یا کھانے پینے سے پہلے یا بالکل آخر میں پانی نہ پیئے۔ اسی طرح میوہ

اور زردٹ کھانے کے بعد اور غسل کرنے کے بعد اسی طرح نیند سے اٹھنے کے بعد پانی نہ پیئے یہ حفظ صحت کے لئے ہے۔

صحت

دراصل صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ بدن کی رطوبت وحرارت مقابلے میں برابر رہیں کیونکہ رطوبت مادہ ہے اور حرارت اسے پکاتی ہے اور اصلاح کر کے فضلات کو پھینک دیتی ہے اگر رطوبت نہ ہو تو بدن جل جائے۔ اور جب رطوبت یا حرارت بڑھ جاتی ہے۔ مرض پیدا ہو جاتا ہے حرارت ہمیشہ رطوبت کو تحصیل کرتی ہے جب مقابلہ کوئی ایک زائد ہو گئی تو مقابلہ نہ ہو سکیگا۔ ایک کمزور ہو گئی تو فضلات رہ جائیں گے ردی مواد پیدا ہو گا اور مختلف امراض ابھر آئیں گے۔ اس لئے قرآن میں کہا ہے۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا یعنی کمیت اور کیفیت کے مطابق بدن کھانا جائے تو صحت رہے گی زیادہ ہو گیا تو مرض لگ جائے گا۔ یہی اسراف ہے۔ صحت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اسی لئے بخاری شریف میں روایت ہے جس میں صحت کا خیال نہ رکھنے والے کو مغبون کہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد اور حلوا پسند تھے یہ غذاؤں میں انفع اور حفظ صحت میں بڑی تاثیر رکھتے ہیں اور سوائے علت والے کے کسی کو ضرر نہیں ہوتا۔

اسی حفظ صحت کی وجہ سے لحم شاۃ میں گردن اور دست کا گوشت یا اگلے حصے کا گوشت پسند تھا۔ تربوز اور خربوزے کے ساتھ کھجور ملا کر اور جو کی روٹی سرکہ کے ساتھ کھا لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر موسم اور ہر شہر کے مزاج کے مطابق چیزیں پیدا کی ہیں لہذا سب سے پہلا پھل جو آتا تھا اسے تناول فرماتے یہ بھی حفظ صحت کے لئے ہے۔

تکیہ لگا کر کھانا

تکیہ لگا کر کھانے کو منع کیا ہے (ابن ماجہ)

بات یہ ہے کہ تکیہ لگا کر یا کسی چیز کی ٹیک لگا کر یا پیٹ کے بل لیٹ کر کھانا مجری الطعام کو روک دیتا ہے اور معدے کی طرف جانے سے مانع ہو جاتا ہے۔ آپ ایک غلام کی طرح کھانا کھاتے تھے آگے کی طرف جھک کر کھانا کھاتے تھے یا اکڑوں بیٹھ کر یا دائیں پیر پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ اس طرح بیٹھنے سے اعضا اپنی اصلی ہیئت پر رہتے ہیں اور کھانا سب جگہ پہنچ جاتا ہے اور آپ تین انگلیوں سے کھاتے تھے کیوں کہ اس سے کم انگلیوں سے کھانا کم مقدار میں جائیگا اور معدہ منتظر رہے گا۔ اسلئے سرور نہ ہوگا اور کھانا سرور سے ہضم ہوتا ہے اور پانچوں انگلیوں سے کھانا زیادہ جائیگا جو معدہ پر بوجھ ہو جائے گا۔ سنت میں ہر بات کی رعایت ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مورخہ ۳۰ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ بروز منگل احقر کے حقیقی چچا محترم جناب اصغر علی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ قارئین البلاغ سے درخواست ہے کہ اپنے طور پر جتنا ممکن ہو، ان کے لئے ایصال ثواب فرمادیں اور ان کی نجات و مغفرت کاملہ عاجلہ کے لئے نیز پسماندگان کے صبر استقامت کے لئے دعا بھی فرمائیں۔

شجاعت علی ہاشمی　ناظم ماہنامہ البلاغ

حرمین شریفین اور جزیرۃ العرب کے بیرونی مقیمین

کی

ذمہ داریاں اور اہل وطن کے حقوق

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک اہم تقریر جو ۲۴ رجب ۱۴۰۶ھ (۳ اپریل ۱۹۸۶ء) کو جدہ میں ہندوستانی و پاکستانی احباب کے ایک عظیم مجمع میں کی گئی۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

إِنَّ هٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (سورۃ الانبیاء۔ ۹۲)

یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو میری ہی بندگی کرو۔

حضرات! میں اس کو بڑی صحت مندانہ علامت سمجھتا ہوں کہ بغیر کسی بڑے اعلان و اہتمام کے آپ حضرات اپنی مصروفیتوں کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں یہاں تشریف لائے، اور ذوق و شوق کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں، یہ زندگی اور زندہ دلی کی بھی علامت ہے، اور اس ایمانی رشتہ کی طاقت کی بھی دلیل ہے، جو اللہ تعالٰی نے ہمارے آپ کے اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان قائم کیا ہے، میں نے ابھی جو آیت پڑھی اس میں خود کہا گیا ہے کہ یہ تمہاری امت ایک ہی جماعت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں تم میری ہی بندگی کرو۔

یہ مجمع اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ مختلف ملکوں کے مسلمان بھائی اپنے ایک دینی بھائی کی بات سننے کے شوق میں دور دور سے تشریف لائے ہیں۔

حضرات! میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے معاش کے مسئلہ کو اس سرزمین سے مربوط فرمایا، لیکن آپ کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس سرزمین کا اصل پیغام، اس سرزمین کا اصل تحفہ اور اس سرزمین کی اصل نعمت وہ چیز ہے جو ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے اور جس کے بغیر نہ معاش کا نظام درست

ہوسکتا ہے، نہ معاد کا، یہ تو سب جانتے ہیں کہ معاد کا نظام تو درست ہی نہیں ہوسکتا، لیکن یہ کم لوگ جانتے ہیں کہ معاش کا نظام بھی درست نہیں ہوسکتا، اور جو ملک محض معاشی مسئلہ پر قائم ہیں، اور ان کے افراد کا آپس کا تعلق محض معاشی ہے وہ ایک غیر فطری نظام کے ماتحت زندگی گزار رہے ہیں، جس کے ساتھ نہ اللہ کی مدد ہے نہ اللہ کی رحمت ہے، جتنے مسائل بھی اس وقت ان ملکوں میں اور ان ملکوں کے اثر سے دوسرے ملکوں میں پیدا ہو رہے ہیں، وہ سب اسی کا نتیجہ ہے کہ وہاں معاش معاد کے ساتھ مربوط نہیں ہے اور زندگی کا وہ صحیح مقصد وہاں نہیں پایا جاتا جو خالق انسان نے انسان کے متعین کیا ہے، وہ مقصد وہی ہے جس کا آیت ذیل میں تذکرہ ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ (سورۃ الذاریات ۵۶ - ۵۸)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں، میں ان سے طالب رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں، خدا ہی تو رزق دینے والا ہے۔ زور آور اور مضبوط ہے۔

یہ حقیقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہے، اس لئے وہاں میعاد کا معاملہ تو الگ رہا معاش بھی خطرہ میں ہے، وہاں وہ معاشی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے، وہاں ایک فرد کا مفاد دوسرے فرد کے مفاد سے، ایک جماعت کی ترقی دوسری جماعت کی ترقی سے، ایک حکومت کا نظام دوسری حکومت کے نظام سے ٹکرا رہا ہے، معاش معاش سے ٹکرا رہی ہے، بلکہ اس ملک کی معاش دوسرے ملکوں کی معاش کو خراب کرنے یا استحصال پر آمادہ کرتی ہے، اس ملک کی معاشی ترقی کا انحصار بھی دوسرے ملکوں کی معاشی ابتری اور بدنظمی پر موقوف ہے، اس لئے نہ صرف اس ملک میں مسائل پیدا ہو رہے ہیں بلکہ اس ملک کی وجہ سے دوسرے ملکوں میں بھی نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، اور وہ معاش ان کے لئے وبال جان بن گئی ہے، یہ ایک مسئلہ لاینحل ہے، جس کا حل ان کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے، ان کے بڑے بڑے عقلاء و مفکرین سرگرداں و پریشان ہیں، مگر راستہ نظر نہیں آتا۔

لیکن اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا جو گھر (کعبۃ اللہ) ہے، اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ۔ (سورۃ المائدۃ - ۹۷)

اللہ نے کعبہ مکان محترم کو (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ، اور انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھیرایا ہے۔

اس حقیقت پر ابھی تک کم لوگوں کی نگاہ گئی ہے کہ نظام عالم کعبۃ اللہ اور اس کی دعوت و مقام سے وابستہ ہے، اس کو ہماری ظاہری نگاہیں نہیں دیکھ رہی ہیں، لیکن اہل بصیرت سمجھتے ہیں کہ جس طرح پہاڑوں کا وجود ملک اور زمین ایک استقرار و توازن پیدا کرتا ہے، اسی طریقہ سے اس سے ایک بالاتر نظام ہے، اور وہ نظام وابستہ ہے بیت اللہ سے، جب تک بیت اللہ قائم ہے اور اس کا وہ پیغام زندہ ہے، اس وقت تک گویا نظام عالم قائم ہے۔

آپ اس کو نہ بھولیں کہ اس سرزمین مقدس کا پیغام یہ نہیں تھا کہ خوب کماؤ اور کھاؤ، پھلو پھولو، نسل انسانی میں اضافہ کرو، اور اپنی زندگی راحت کے ساتھ گزار کر چلے جاؤ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ کہا کہ:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ. (سورۃ ابراہیم - ۳۷)	اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں، تیرے غیرت (و ادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے، اے پروردگار تاکہ یہ نماز قائم کریں۔

تو ابراہیم علیہ السلام نے اس وادی مکہ اور حجاز کے مقام کا قیامت تک کے لئے تعین کر دیا، اصلاً اس وادی کی فطرت "وادی غیر ذی زرع" ہونے کی ہے، اس لئے اگر اس میں کبھی سرسبزی و خوشحالی، باغات اور کھیتیاں، مرغزار اور سبزہ زار، پانی کی بہتات، دولت کی فراوانی اور تجارت کی گرم بازاری دیکھنے میں آئے تو یہ اوپری چیز ہوگی، یہ اندر کی چیز نہیں ہوگی، یہ اس کے لئے ایک غیر فطری، مصنوعی اور عارضی عمل ہے اس وادی کے اصل مزاج کا پہچاننے والا حضرت ابراہیمؑ سے زیادہ کون ہو سکتا ہے، اور کون اس کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ انہوں نے الہام ربانی اور ہدایت آسمانی سے اپنی اولاد کو یہاں لاکر چھوڑا تھا، اور کہدیا تھا کہ میں نے اپنی اولاد کو "وادی غیر ذی زرع" میں بسایا ہے، یہاں اپنا خاندان چھوڑ کر جا رہا ہوں، گویا قیامت تک کے لئے اس وادی کا مزاج اس وادی کا مقام اور اس وادی کی فطرت کو متعین کر دیا، اب یہاں اگر رزق اور معاش کی برکتیں زمین سے اُبلیں اور آسمان سے برسیں، جب بھی اس وادی کا مزاج وہی رہے گا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیان کیا اور جس کے ساتھ انہوں نے اس کا رشتہ اور ربط قائم کیا۔

غور فرمایئے "إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" سے "رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ" کا ربط کیا ہے؟ فرماتے تو یہ ہیں کہ میں نے اپنی اولاد کو اس وادی غیر ذی زرع میں آباد کیا ہے، اے ہمارے پروردگار تاکہ یہ نماز قائم کریں، نماز پڑھیں، آپ نے لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ کہا یہ نماز کے قائم کرنے والے ہوں، یہ نماز کے داعی بنیں، یہ نماز کے قیام کے روئے زمین پر ذمہ دار ہوں اگر وہ اپنی اولاد کو نینوا کی سرزمین یا دجلہ و فرات کی وادی میں چھوڑتے (جہاں کے وہ رہنے والے تھے) یا مصر میں جس سے گزر کر آئے تھے، یا شام میں جہاں پھر مسجد اقصیٰ بنی اور آپ ہی کی اولاد نے بنائی، کیا وہاں لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ کا ظہور و تحقق نہیں ہو سکتا تھا؟ آپ سب جانتے ہیں کہ وہاں نمازیں پڑھی جا رہی ہیں، خدا کے فضل و کرم سے مسلمان موجود ہیں، جگہ کے انتخاب اور اس کی تعریف اور نماز کے قیام و اہتمام کے درمیان جو ربط ہے وہ یہی ہے کہ یہ جب نظر اٹھا کر دیکھیں گے تو انھیں جلے ہوئے پہاڑ نظر آئیں گے، انھیں خشک زمین نظر آئے گی، ان کو کہیں بہتا ہوا دریا، چلتی ہوئی نہر نظر نہ آئے گی، تو ان کی فطرتِ صحیحہ اور ان کا ذہن سلیم ان کی رہبری کرے گا کہ ہمارے جدّ امجد

ہمارے مورثِ اعلیٰ کے اس سرزمین کا انتخاب کرنے کا راز کیا ہے؟ راز یہ ہے کہ اگر ان کو ہم سے معاشی مسئلہ حل کروانا ہوتا، ہم کو خوش حالی عطا کرنی اور آسودگی کی زندگی بسر کروانی ہوتی تو پھر کسی سرسبز و متمدن زمین کا انتخاب کیا ہوتا، یہاں ٹھہرانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہم سے ان کو کوئی اور کام لینا مقصود ہے اور اس کام کو اس سرزمین سے زیادہ مناسبت ہے۔

ان آیاتِ قرآنی کی روشنی میں یہاں کے رہنے والوں کے ذہن میں (چاہے وہ باہر سے آئے ہوں یا یہیں کے رہنے والے ہوں) وادی غیر ذی زرع اور اقامت صلوٰۃ کے درمیان جو رشتہ و رابطہ ہے، ہمیشہ مستحضر اور تازہ رہنا چاہیئے، اس سرزمین کا اصل پیغام ہے: دنیا میں خدا کی عبادت کی دعوت دینا، اس کے خدائے واحد ہونے کا اقرار کروانا، اور اسی کے سامنے سجدہ ریز کرنا، اور اسی کی عبادت کو زندگی کا مقصود سمجھنا، اور اسی کو راضی رکھنے کی کوشش کرنا، اور سارے معاشی اور دنیاوی نظام کو اسی کے احکام کا تابع بنانا، اور لوگوں کو بتانا کہ وہ اس نظام کے باغی نہ ہوں، بلکہ اس نظام کے فرماں بردار ہوں، خلاصہ یہ ہے کہ یہ ضروری ہے کہ آپ سمجھیں کہ یہاں کا پیغام اور یہاں کی سوغات کچھ اور ہے، یہاں کے ذرہ ذرہ سے کوئی اور صدا آرہی ہے، یہاں کی ہوا کا ہر جھونکا ایک دوسری زندگی کا پیغام دیتا ہے، ایسی زندگی گزارنے کا پیغام دیتا ہے جس میں مادیت روحانیت کے تابع ہو، معاش معاد کے تابع ہو، جہاں اعمال عقائد کے تابع ہوں، اقتصادیات اخلاق کے تابع ہوں، اور جہاں ہر محبت خدا کی محبت کے تابع ہو۔

یہ بات تو میں نے یہاں اسی مناسبت سے عرض کی، اب یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات زیادہ تر ہندوستان و پاکستان سے تشریف لائے ہوئے ہیں، تو آپ حضرات کو (یہاں تک کہ جنکو تابعیہ یا اقامہ مل گیا ہے) اپنے ان ملکوں کو نہیں بھولنا چاہیئے، جہاں سے آئے تھے، اور وہاں اپنے بھائیوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہاں رہنا مقدر فرمایا ہے، اور جن کا رزق اللہ نے وہیں رکھا ہے، ان کی زندگی وہیں گزر رہی ہے، اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، یہاں کی مشغولیت میں (خواہ وہ معاشی مشغولیت ہو یا عبادتی مشغولیت) یہاں کے احترام اور یہاں کی محبت میں اور اپنے ملک کے لوگوں کے حالات سے واقف ہونے میں، ان کا درد محسوس کرنے میں، اور ان کی طرف سے فکرمند رہنے میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسلمان ایک جسدِ واحد کی طرح ہیں، ایک جسم ہیں، "اذا اشتکیٰ منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسہر والحمیٰ"، کہ اگر کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اسے محسوس کرتا ہے، بخار چڑھ آتا ہے درد ہو جاتا ہے، آپکے برِ صغیر ہند و پاک نے (اب تو خیر وہ دو ملک ہیں لیکن پہلے تو وہ برِ صغیر ہی تھا) اسلامی تاریخ کی بعض صدیوں میں عالمِ اسلام کی قیادت و رہبری کی ہے، عالمِ اسلام کو ایک نئی ایمانی طاقت اور ایک نیا اعتماد عطا کیا ہے، تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ کئی صدیاں ایسی گزری ہیں کہ تمام عالمِ اسلام پر دینی انحطاط یا ذہنی و علمی انحطاط کا بادل سایہ فگن رہا ہے، تقریباً آٹھویں صدی کے بعد ہمیں واضح طور پر یہ نظر آتا ہے، کہ وہ عرب ممالک جو

اسلامی ثقافت، اسلامی تہذیب، اور اسلامی دعوت کے مرکز تھے، وہ تنزل و انحطاط کا شکار ہو گئے ہیں، اس وقت ہندوستان نے ایسی ہستیاں پیدا کی ہیں، جنہوں نے افغانستان، ترکستان، ایران ہی میں نہیں، بلکہ ممالک عربیہ میں بھی زندگی کی ایک لہر دوڑا دی ہے، اور ان کا فیض ممالک عربیہ تک پہونچا ہے، خاص طور پر دسویں، گیارہویں، بارہویں، تیرہویں صدی، یہ چار صدیاں درحقیقت برّصغیر کی روحانی، علمی اور دینی ترقی کی صدیاں ہیں، جب وہاں وہ شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کی نظیر پورے عالم اسلام میں ملنی مشکل ہے۔

مثال کے طور پر اس وقت چند ہی نام لے سکتا ہوں، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ پھر ان کے اولاد و احفاد کا پورا سلسلہ جو تقریباً سو برس تک چلتا رہا، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، ان کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، تین صدیوں میں پورے عالم اسلام میں ان شخصیتوں کا جواب نہیں ملتا، انہوں نے اپنے ملک بلکہ اپنے عہد کے مسلمانوں کے دلوں اور سینوں کو ایک نئی ایمانی طاقت سے بھر دیا ہے، شام و ترکی کے علاقہ سے مولانا خالد رومی دہلیؒ آئے، اور واپس جا کر عراق، شام ترکی کو ذکر الٰہی، محبت الٰہی اور ایمانی طاقت سے بھر دیا، اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا (جو انھیں کے خاندان کے تربیت یافتہ تھے) فیض دور دور پہونچا، اور ہندوستان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ لوگوں کا اندازہ ہے کہ کم سے کم تیس لاکھ آدمی حضرت سید احمد صاحب سے براہ راست فیض یاب ہوئے، اور چالیس ہزار سے زیادہ آدمی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، رسوم کی جو اصلاح، بدعات کا جو رد، اتباع سنت کا جو ذوق، اور اشاعت کتاب و سنت کا جو جذبہ پیدا ہوا، پھر قرآن مجید کے تراجم کے ذریعہ سے مسلمان خاندانوں کی جو اصلاح ہوئی، اور جاہلیت سے مسلمان نکل کر صحیح اسلام کے دائرہ میں آئے، اور ان کے اندر ذوق عبادت پیدا ہوا، خدا طلبی اور حمیت دینی کا جو شعلہ موجزن ہوا، اس کی مثال تو دور دور نہیں ملتی، اپنے زمانہ کے بڑے مبصر و باخبر عالم نواب سید صدیق حسن خان مرحوم والیٔ بھوپال کے بقول (جو اپنے زمانہ کے عظیم ترین مصنف اور محدث تھے) دوسرے ملکوں ترکستان اور ممالک عربیہ تک میں بھی حضرت سید صاحب جیسا صاحب تاثیر آدمی سنا نہیں گیا۔

حضرات! اس کے بعد میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج ہندوستان کی ملت اسلامیہ ہندیہ ایک نئے موڑ پر پہونچ گئی ہے، آپ حضرات کو اجمالی طور پر اس کا حال معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کے لئے ایک امتحانی گھڑی آگئی ہے، آپ جانتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ جہاں رہیں اپنے امتیازی عقائد، اپنی عبادت و فرائض، اسلامی شعائر اور اپنے ملی تشخص اپنے مخصوص تمدن و معاشرت اور اللہ و رسول کے ساتھ مستحکم اور واضح تعلق کے ساتھ رہیں یہی رہنا معتبر ہے، اور اسی کو اسلامی اور صحیح ایمانی زندگی کہتے ہیں، اگر یہ نہیں تو پھر وہ اسلامی زندگی کہلانے کی مستحق نہیں یہ جاہلیت کی زندگی ہے، ہمارے اسلاف برابر اس کی کوشش کرتے رہے کہ مسلمان صرف جسمانی وجود اور نسل کے اعتبار سے ہندوستان میں نہ رہیں، بلکہ اپنی اسلامی شخصیت کے ساتھ رہیں، اپنی دعوت اپنے پیغام اور اپنی خصوصیات کے ساتھ رہیں، یہ تسلسل خدا کے فضل سے ابھی تک قائم رہا۔

اس وقت اچانک ایک موڑ آیا، جس کو میں آپ حضرات کے سامنے مجملاً بیان کرنا چاہتا ہوں، آپ حضرات جانتے ہیں کہ جو قومیں اپنے مخصوص تمدن سے محروم کر دی جاتی ہیں، ان کا دین ان کی عبادت گاہوں ان کی شب کی خلوتوں اور ان کی عبادت کے طریقوں کے اندر محدود ہو کر رہ جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ ان کا رشتہ زندگی سے کٹ جاتا ہے، اس لئے ایک صاحب شریعت ملت کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے امتیازی عقائد، اور اپنی عبادات کے ساتھ رہے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی مخصوص معاشرت وتمدن کے ساتھ رہے، اس لئے کہ ہمارے دین کا اصول یہ نہیں ہے کہ "جو خدا کا ہے وہ خدا کو دے دو، اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دیدو" اور "مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ ہے اس کا تعلق باہر کی زندگی سے نہیں ہے"۔

جو ملتیں اپنی مخصوص معاشرت اور تمدن کے سانچوں سے محروم رہ گئیں، ملل وادیان کی تاریخ بتاتی ہے، کہ وہ ملتیں برائے نام ان ادیان سے وابستہ رہیں، مذہب کی گرفت ان کے اوپر سے ڈھیلی ہوتے ہوتے بالکل چھوٹ گئی، اور وہ آزاد ہو گئیں، ان کے اندر الحاد اور اپنے مذہب سے بغاوت پیدا ہوئی، اس لئے ہم مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم جہاں رہیں عقیدۂ توحید کے ساتھ رہیں، ایمان بالمعاد، شریعت کے اتباع بلکہ سنت کے اتباع کے شوق اور جذبہ کے ساتھ رہیں جاہلیت سے (خواہ وہ ہمارے اندرون ملک کی جاہلیت ہو، یا باہر کی جاہلیت ہو) جاہلیت قدیمہ ہو، جاہلیت مغربیہ ہو، جاہلیت علمیہ ہو، جاہلیت فکریہ ہو، یا جاہلیت خلقیہ ہو، ہر قسم کی جاہلیت سے دور اور محفوظ رہیں۔

ہندوستان جیسے برصغیر کے لئے یہ بات یوں بھی ضروری ہے کہ وہ مختلف مذاہب اور کا گہوارہ ہے، وہاں مسلمانوں کی ذمہ داری دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں (جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں) بہت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کہ وہاں ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ ان کی گرد وپیش کی آبادی اور اکثریت جس کو جمہوری نظام اقتدار اعلیٰ کا حق دیتا ہے، اور اقتدار کی مرکزیت اس کے ہاتھ میں آجاتی ہے، جہاں سروں کا شمار ہوتا ہے، سینوں کا اور دلوں یا صلاحیتوں کا شمار نہیں ہوتا، وہاں ایسی ملت کے لئے بڑی پیچیدگی اور بڑی نزاکت ہے، اگر اس نے اپنی بنیادی وملی خصوصیات سے ذرا بھی دستبرداری اختیار کی، اور ذرا بھی تساہل برتا، اپنے کسی عقیدہ میں مفاہمت یا سودا کرنے کا طرز عمل اختیار کیا، یا وحدت ادیان اور "ہمہ اوست" کے چکر میں پڑ گئی، یا اس نے یہ منظور کر لیا کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور بلند آواز سے اذان دینے سے دستبردار ہوتے ہیں تو پھر وہ ملت رفتہ رفتہ اکثریت کے مذہب اور تہذیب میں تحلیل ہو کر رہ جائیگی، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جو شریعت کے پورے مزاج داں تھے، یہاں تک لکھدیا ہے کہ "ذبح بقرہ در ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است"، یہ ان کی بصیرت تھی کہ انہوں نے کہا کہ گائے کی قربانی ہندوستان میں بہت بڑا اسلامی شعار ہے، کہیں اور ہو نہ ہو لیکن ہندوستان میں اسلامی شعار ہے، اس لئے کہ گائے وہاں کا معبود ہے، اس لئے مسلمانوں نے اگر اس سے دستبرداری اختیار کی تو اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی

زمانہ میں اس کے تقدس کے قائل ہوجائیں گے، ایسے ملکوں میں مسلمان رہنماؤں، علمائے دین، حامیان شریعت اور اسلام کے ترجمانوں کی ذمہ داری اضعافاً مضاعفۃً ہوجاتی ہے، جہاں ہر وقت خالم بدہن ایک تہذیبی ارتداد، پھر معاشرتی وتمدنی ارتداد، پھر معاذ اللہ اعتقادی ارتداد کا خطرہ ہے اللہ تعالیٰ درجے بلند فرمائے، ہمارے ان بزرگوں، ہمارے ان دینی پیشواؤں حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ، مدارس عربیہ اور دینی اداروں وتحریکوں کے مؤسسین کے، کہ انہوں نے ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو اس کے شعائر کے ساتھ قائم رکھنے کی پوری کوشش کی، الحمد للہ آج ہندوستان کا مسلمان اپنی ان تمام خصوصیات کے ساتھ باقی ہے، وہاں صرف یہی نہیں کہ اذانیں دی جارہی ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسلمان عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی بھی کرتے ہیں، بڑے بڑے دینی اجتماعات کرتے ہیں، اور آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کی سب سے بڑی وسیع دعوت تبلیغ بھی وہیں سے نکلی ہے، اس کا مرکز بھی دہلی اور ہندوستان ہے۔

ان عجمی نژادوں کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ وہ عربوں کو یاد دلائیں، کہ تم سے ہم کو اسلام ملا تھا، اس لئے تمہیں سب سے زیادہ اسلام کے معاملہ میں ذکی الحس اور غیور ہونا چاہیئے، تمہیں اب بھی اس کا علمبردار ہونا چاہیئے الحمد للہ ساری دشواریوں، بُعدِ مسافت اور عربی زبان کے وہاں رائج نہ ہونے کے باوجود (جو صرف مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے) اللہ نے ہندوستان کے فرزندوں کو توفیق دی کہ وہ عربوں کو خطاب کریں، قاہرہ میں خطاب کریں، دمشق میں خطاب کریں، حدیہ ہے کہ مکہ اور مدینہ میں خطاب کریں، اور عربوں سے کہیں کہ تم کو اسلام کا نمونہ بننا چاہیئے، قومیت عربیہ کے خلاف سب سے زیادہ طاقتور آواز اٹھانے والے ہندوستان کے فرزند، اور عربی کے وہ نوجوان اہل قلم تھے، جنہوں نے اس زور سے اس کا صور پھونکا کہ اس کی آواز قاہرہ اور دمشق اور مکہ مدینہ (شرفہما اللہ) کی دیواروں سے گونجی، اور اس کا یہاں کے فضلاء وقائدین نے اعتراف کیا کہ جس جرأت و وضاحت کے ساتھ قومیت عربیہ اور "تجدد،، و "تقدمیت،، اور مغربیت کے خلاف ہندوستان کے عربی رسائل اور عربی کے اہل قلم نے مضامین لکھے ان کی نظیر خود عالم عربی میں بھی ملنی مشکل ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان میں اچانک ایک موڑ آیا، اور وہ یہ کہ ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت نے جسے سپریم کورٹ (SUPREME COURT) کہتے ہیں، ایک مسلمان مُدّعیہ شاہ بانو کے کیس میں یہ فیصلہ کیا کہ طلاق دینے والے کے ذمہ یہ ہے کہ مُطلّقہ کو جب تک وہ زندہ رہے نفقہ دے، اور اس کی مقدار مقرر کی جو اس وقت پانچ سو ماہانہ ہے، جب تک وہ شادی نہ کرلے یا زندہ رہے، اگر شادی نہ کرے تو عمر بھر دے، یہ بظاہر تو ایک چھوٹی سی بات تھی، لیکن فیصلہ کا آغاز ان لفظوں سے ہوا ہے کہ "اسلام کا ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ اس نے عورت کو صحیح مقام نہیں بلکہ بہت ہی پست درجہ دیا ہے، اور اس کے بعد اس فیصلہ میں "متاع،، کی تشریح کی گئی ہے انگریزی ترجموں کی بنیاد پر کہ "متاع،، کا مطلب ہے کہ اس کو نفقہ برابر دیا جاتا رہے۔

اس میں خطرناک تین پہلو تھے۔

ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت کو یہ حق ہوگا کہ وہ ہمارے مذہب میں، ہمارے پرسنل لا (قانون احوال شخصیہ) میں مداخلت کرے، اور اب اس ملک میں شریعت کا حکم نہیں چلے گا، علماء کا فیصلہ اور مفتیانِ دین کا فتویٰ نہیں چلے گا، عدالت کا فیصلہ چلے گا۔

دوسری بات یہ کہ انگریزی ترجمہ کی مدد سے ایسے لوگوں نے جو ماہرِ فن نہیں، عربی زبان سے واقف بھی نہیں، عالمِ دین بھی نہیں، قرآن کی آیات اور دینی اصطلاحات کی تشریح اپنے ذمہ لی، یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ قرآن مجید کی تشریح جج صاحبان کرنے لگیں، اگر اس کا دروازہ کھلا رہا، اور اس کو اپنے وقت پر روک نہ دیا گیا تو پھر نماز کی تشریح بھی کردی جائے گی کہ دیکھئے قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں آتا ہے:۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (سورۃ التوبۃ - ۱۰۳)

ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو، اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کیلئے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

آپ ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کیجئے، اور ان کے لئے دعائے خیر کیجئے، آپ کی دعائے خیر ان کے لئے باعث تسکین ہے، تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ نماز کہاں سے آئی؟ اور اس کے لئے اتنی بلند آواز سے اذان دینے سے ہماری نیند خراب ہوتی ہے، اور صبح کی اذان اور نیند خراب کرتی ہے، ہم نے مارماڈیوک پکتھال صاحب کا انگریزی ترجمہ دیکھا ہے، اس میں تو (صلوٰۃ) کا ترجمہ دعا سے کیا گیا ہے[1]، تو یہ نماز کہاں سے آئی؟ تو اگر اس کا وقت پر نوٹس نہیں لیا گیا، اور اس کو چیلنج نہیں کیا گیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ عدالتیں قرآن مجید کے لفظوں کا سہارا لے کر اور ترجموں کی مدد سے جو چاہیں گی تشریح کریں گی، اور جیسا کہ میں نے ہندوستان میں بعض جلسوں میں کہا کہ یہ بات صرف قانون تک محدود نہیں ہے، یہ دنیا کے اس مانے ہوئے نظام کو توڑنا ہے کہ جس کا جو فن نہیں ہے، وہ اس میں دخل نہ دے، ریاضی والا فزکس میں نہ بولے، فزکس والا ریاضی میں نہ بولے، تو قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے، اور وہ عربی زبان میں نازل ہوئی ہے، اور اس کی تفسیر ان مستند فضلاء نے کی ہے، جو علوم قرآن و سنت اور عربی زبان کے ماہر تھے، اس لئے یہ ایک بڑی خطرناک بات ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ میں نے کہا کہ لکھنے والے لکھ رکھیں کہ جس طرح آج مطلوب جہیز نہ لانے پر دلہنوں کو جلایا جارہا ہے، (اور نیشنل پریس کی رپورٹ یہ ہے کہ دارالسلطنت دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک واقعہ پیش آتا ہے)، طلاق دینے کے بجائے بیویوں کو جلایا جائیگا، یا زہر دے کر مار دیا جائے گا،

---

[1] پکتھال صاحب کے ترجمہ میں ہے:۔

AND PRAY FOR THEM, PRAYER IS AN ARRANGEMENT FOR THEM ALLAH IS NEARER KNOWER (P.193 — NO. 103)

یا رات کو انھیں کوئی ایسی دوا دیدی جائے گی کہ صبح لوگ اٹھیں تو معلوم ہو وہ مردہ ہیں، اس لئے کہ کون جھنجھٹ مول لے کہ تیس برس تک چالیس برس تک، اور اس مدت تک جس کا ابھی کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا، طلاق دینے والے شوہر پانچ سو روپیہ ماہوار دیتے رہے اس کے بعد خود عدالت فیصلہ کرے گی، کہ معیار زندگی بڑھ گیا ہے، یا پانچ سو روپیہ کافی نہیں ہے، یا وہ خود درخواست دے کہ پانچ سو میں ہمارا گزارہ نہیں ہو رہا ہے، ہمیں ایک ہزار ملنا چاہیئے، پھر اس کے بعد وہ اس شوہر کے پاس جائیگی، جس نے اُسے گھر سے نکالا ہے، اور اس سے پیسے لے گی، اور اس طرح اس سے کوئی نہ کوئی رابطہ رہے گا۔

یہ چند چیزیں تھیں جو بہت خطرناک تھیں، اور مسئلہ صرف مُطلّقہ کا مسئلہ نہیں تھا، مسئلہ تھا، شریعت میں مداخلت کا، مسئلہ تھا شریعت کے کسی حکم کی تشریح کرنے کا، اور اس کے مفہوم بتانے کا، مسئلہ تھا مسلمانوں پر ایک ایسی چیز عائد کرنے کا جو ان پر خدا اور رسول نے عائد نہیں کی، خدا کا شکر ہے اور میں آپ کو یہ خوش خبری سُناتا ہوں کہ ہندوستان میں خلافت تحریک کے بعد ایسا عمومی احتجاج اور مظاہرہ ہندوستان کے اندر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا، تمام مختلف الخیال طبقے، تمام مکاتب فکر اور مشہور فرقے اور جماعتیں سب کے سب سو فیصدی اس پر متفق ہو گئیں۔

حکومت نے یہ بات تسلیم کر لی کہ عوام اس مسئلہ میں علماء کے ساتھ ہیں، اور مسلمانوں کی اکثریت اس مسئلہ میں یہی رائے رکھتی ہے، اور یہی چاہتی ہے، وزیر اعظم کے مشورہ اشارہ سے وزیر قانون نے نیا بل بنایا اور ان علماء کو بلا کر جو اس تحریک کے علمبردار ہیں، لفظ بہ لفظ سنوایا،

وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ہم نے نامور علماء سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا ہے، اور یہ بھی کہا کہ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اسلامی شریعت اور اسلامی قانون عورت کے حقوق کا جو تحفظ کرتا ہے، اور جو اس کو دیتا ہے، وہ ہمارا قانون بھی نہیں، اور دفعہ ۱۲۵ مسلمان عورت کے حقوق کا وہ تحفظ نہیں کرتی، اور اسے وہ فائدہ نہیں پہونچاتی جو یہ بل فراہم کرتا ہے، پھر ۲۱ فروری کو یہ بل پارلیمنٹ کے ارکان کے سامنے رکھ دیا گیا، اس حد تک الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی، لیکن ابھی جد و جہد جاری ہے، جب تک وہ بل پارلیمنٹ میں باقاعدہ پیش ہو کر پاس نہ ہو جائے اس وقت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، لیکن آپ حضرات کو حالات کا جائزہ لیتے رہنا چاہیئے اور دعا کرتے رہنا چاہیئے۔[1]

میں آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ خالص اکثریت کے ملک میں بھی مسلمانوں کو اپنے تمام ملی تشخصات اپنے پورے تمدن و معاشرت، اور اپنے پورے عائلی قانون کے ساتھ رہنا چاہیئے، میں نے ایک جلسہ میں (جس میں بڑی تعداد میں ہندو حضرات بھی شریک تھے) کہا کہ میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر مصر میں، شام میں یہاں تک کہ میں جرأت کر کے کہتا ہوں کہ خدا نخواستہ حجاز مقدس اور سعودی عرب میں بھی شریعت کے خلاف کوئی قانون بنایا جائے گا تو وہاں کے مسلمانوں کا اور سب سے پہلے علماء فرض ہوگا کہ وہ اس کی مخالفت کریں، ہمارے اس اختلاف، اور ہماری اس جد و جہد کا

---

[1] خدا کا شکر ہے کہ ۵ مئی کو لوک سبھا میں یہ بل پیش ہوا، اور ۱۳-۱۴ گھنٹے بحث و اظہار خیال کے بعد ۶ مئی کی صبح ہونے سے پہلے ۵۴ مخالف ووٹوں کے مقابلہ میں ۳۷۲ ووٹ کی اکثریت سے یہ بل پاس ہو گیا۔

محرک یہ نہیں ہے کہ یہ ایک ایسی عدالت نے فیصلہ دیا ہے جو غیر مسلم ہے، آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر کسی خالص مسلم ملک میں بھی قانون شریعت کی مخالفت کی گئی تو ہم اور وہاں کے علماء اور غیور مسلمان اس طریقے سے اس کے خلاف جدوجہد کریں گے اور سینہ سپر ہوں گے جس طرح ہندوستان میں ہو رہے ہیں، بہت سے ہندوؤں نے اس کا اعتراف کیا، اور کہا کہ مولانا نے یہ بات انصاف کی کہی ہے اگر معاملہ یہی ہے کہ اس کی مخالفت میں صرف یہ جذبہ کام کر رہا ہے کہ اس سے شریعت متاثر ہوتی ہے، اور مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل نہیں کر سکتے، اور ان کا یہی طرز عمل اور موقف مسلم اکثریت کے ملکوں میں بھی رہا تو پھر شکایت کی کوئی وجہ نہیں۔

میں نے مثال کے طور پر اس مسئلہ کو ذرا وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آپ کہیں بھی رہیں، یہاں تک کہ آپ حرمین کی سرزمین میں رہیں، آپ کو خود اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ آپ اسلامی معاشرت واقدار کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں یا نہیں؟ آپ خود اپنے نگراں بنئے کہ آپ حرمین شریفین میں رہ کر بھی تہذیب حجازی،، اور معاشرت اسلامی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، یا مغربی تہذیب و معاشرت کے مقلد و نقال ہیں، اگر واقعہ یہ ہے کہ آپ رہتے اور کماتے تو ہیں، حجاز مقدس اور گہوارۂ اسلام (عرب) میں، مگر آپ کا رہنا سہنا، سوچنا اور برتنا اہل مغرب اور مادہ پرستوں کا سا ہے تو آپ کا حرمین میں رہنا آپ کے اس قصور کو معاف نہیں کروائے گا، بلکہ اس وجہ سے آپ کا جرم بڑھ جائیگا، کیونکہ قرآن مجید میں آتا ہے:۔

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝	اور جو اس میں (حرم میں) شرارت سے کج روی (و کفر) کرنا چاہے ہم اس کو درد دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔
(سورۃ الحج - ۲۵)	

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اور جگہ معصیت پر مواخذہ ہے، لیکن حرم مکی میں (پختہ) ارادہ معصیت پر بھی مواخذہ ہوگا، اور اسی بناء پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حبر امت ہیں، اور جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و حکمت کی دعا دی ہے، وہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر طائف چلے گئے اور وہیں رہے، ان کی قبر مبارک وہیں ہے۔

بھائیو! مجھے یہ دیکھ کر رنج ہوا کہ یہاں شادی کے مراسم میں بہت سی وہ چیزیں داخل ہوگئی ہیں جو ہمارے یہاں بھی معیوب تھیں، لیکن یہاں آگئی ہیں، مجلس نکاح میں کئی وہ چیزیں آگئی ہیں جو خلاف سنت ہیں، ہم ہندوستانی، پاکستانی مسلمانوں نے جن سنتوں کو ہاتھوں سے نہیں دانتوں سے پکڑ رکھا ہے ان میں سے کتنی یہاں متروک نظر آئیں، ہم نے یہاں سے اور سنت و حدیث سے عقد کے موقعہ پر کھجور و چھوہارے تقسیم کرنا اور لٹانا سیکھا تھا، اور الحمدللہ یہ سنت ہمارے یہاں زندہ ہے، مگر یہاں اس کے بجائے ڈبوں میں مٹھائی یا کھلونے کی تقسیم دیکھی، حالانکہ ہم ان سنتوں کی پابندی پر اپنے غیر مسلم بھائیوں اور برادران وطن کے طعنے سنتے رہتے ہیں، مگر ہم ان سے دستبردار نہیں ہوتے اسی طرح یہاں شادی کو پر مصارف، بلند معیار اور مشکل کام بنا دیا گیا ہے، اور اس کے

لئے (ہندوستان کے برخلاف) لڑکی والوں کی طرف سے ایسی شرطیں اور مطالبات رکھے جاتے ہیں کہ یہ سنت وعبادت، اور زندگی کی ناگزیر ضرورت، ایک دشوار کام اور آزمائش بن گئی ہے، میں نے یہاں کے اخبارات میں نوجوانوں کے مضامین دیکھے ہیں جن میں اس کی شکایت اور اس حقیقت کا برملا اظہار کیا گیا ہے، اسی طرح یہاں گھروں میں وہ خلافِ شریعت وسنت چیزیں، اور مغربی تمدن کی لائی ہوئی وہ جدتیں داخل ہوگئی ہیں، اور زندگی کا جزء بن گئی ہیں، جنہوں نے توجہ الی اللہ، گھروں کی دینی فضا اور بچوں کی تعلیمی یکسوئی اور ذہنی ارتکاز پر اثر ڈالا ہے، اور جن سے ہمارے ملکوں کے بہت سے خاندان اور معاشرے ابھی محفوظ ہیں۔ ع

تو خود حدیثِ مفصّل بخواں ازیں مجمل!

دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاں بھی رکھے اپنے اور اپنے رسولؐ کے قانون اور شریعت کے مطابق زندگی گزارنے، اور شعائرِ اسلام کی حفاظت وپابندی، تعلق باللہ اور تعلق بالشریعت کے ساتھ رکھے ہمیں دوسری جگہ اگر اتباعِ سنت کی ایک دفعہ توفیق دے تو یہاں چار مرتبہ توفیق دے، اگر ہم وہاں ان سنتوں کو ہاتھوں سے پکڑیں تو یہاں دانتوں سے پکڑیں، اس لئے کہ یہاں ہماری ذمہ داری بہت زیادہ ہے، ہم اس جگہ ہیں، جہاں شریعت نازل ہوئی، اور جہاں سے شریعت تمام دنیا میں پھیلی، اور آج بھی اس کی نسبت اسی مقدس مقام، یہیں کی دعوت وپیغام، اور اسی ملک کے افق سے طلوع ہونے والے آفتاب اور صبحِ صادق سے ہے، جس نے تمام عالم کو منور کردیا، اور کہنے والے نے باآوازِ بلند کہا۔ ع

عالم تمام مطلعِ انوار ہوگیا

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعہم باحسان ودعا بدعوتہم الی یوم الدین۔

تعارف و تبصرہ

(تبصرہ کیلئے دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

تفسیر معالم التنزیل (عربی)

تالیف: امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی رحمۃ اللہ۔ ناشر: ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

۳۰×۲۰/۸ سائز پر ۴ جلدیں، ہر جلد ۵۰۰ صفحات یا ان سے زائد پر مشتمل ہے۔ عربی کے دلآویز ٹائپ کی عکسی طباعت، کاغذ عمدہ، ریگزین کی خوبصورت جلد۔ قیمت درج نہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر جو "معالم التنزیل" یا "تفسیر البغوی" کے نام سے مشہور ہے، علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ امام بغوی پانچویں صدی ہجری کے اواخر اور چھٹی صدی کے اوائل کے بزرگ ہیں اور انہوں نے یہ تفسیر اس غرض سے لکھی ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر میں روایت و درایت کو جمع کرتے ہوئے ایک ایسی اوسط ضخامت کی کتاب سامنے آئے جو نہ بہت مختصر ہو، نہ بہت طویل، تفسیر سے متعلق ضروری مواد آ جائے اور ان کی تفسیر کو علماء و محققین کی نظر میں مندرجہ ذیل امتیازات حاصل ہوئے۔

(۱) یہ متوسط ضخامت کی تفسیر ہے جو قرآن کریم کی فہم میں بہت مدد دیتی ہے اور جس میں قرآن کریم کے مضامین تفسیری مباحث کی تفصیلات میں گم نہیں ہو پاتے۔

(۲) امام بغویؒ چونکہ ایک جلیل القدر محدث بھی ہیں، اس لئے اس کتاب میں عموماً مستند روایات لانے کا اہتمام موجود ہے۔ ضعیف اور منکر روایات اس تفسیر میں کم ہیں۔

(۳) وہ اسرائیلی روایات جن سے اکثر تفسیریں بھری ہوئی ہیں، اس کتاب میں زیادہ نہیں ہیں۔

(۴) امام بغویؒ نے زیادہ تر زور قرآن کریم کے مضامین کی تفہیم پر دیا ہے۔ اور نحوی اور کلامی مباحث کی تفصیلات سے گریز کیا ہے۔

اسی لئے علامہ ابن تیمیہؒ نے قرطبیؒ، زمخشری اور بغویؒ کی تفاسیر میں سے امام بغویؒ کی تفسیر کو باقی دونوں پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا :۔ واسلمها من البدعة والاحاديث الضعيفة . البغوی (فتاوی ابن تیمیہ ۱۳/۱۹۳)

یعنی، ان تینوں میں بدعتی نظریات اور ضعیف احادیث سے محفوظ ترین تفسیر امام بغویؒ کی ہے۔"

معالم التنزیل متعدد ۔ متعدد بار مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ لیکن آخر دور میں یہ خالد عبدالرحمٰن العک اور مروان سوار کی تحقیق و تعلیق اور مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی جو اس کتاب کا سب سے بہتر اڈیشن ہے اول تو اس میں پیراگرافوں اور فقروں کی تقسیم و ترقیم کا اہتمام کر کے اس سے استفادے کو آسان بنا دیا گیا ہے ۔ دوسرے ان دونوں نے اپنے ذیلی حواشی میں امام بغویؒ کی بیان کردہ احادیث کی تخریج کا اہتمام کیا ہے۔ تیسرے بہت سی جگہوں پر مفید حواشی بھی لکھے ہیں۔ چوتھے کتاب کے شروع میں اصول تفسیر اور امام بغویؒ کی سوانح پر مشتمل ایک اچھا مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔

لیکن یہ نسخہ پاکستان میں دستیاب نہیں تھا ۔ ادارۂ تالیفات اشرفیہ کے مالک مولانا محمد اسحٰق صاحب نے جن کی شائع کی ہوئی مطبوعات کی تعداد ماشاء اللہ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس نسخے کا فوٹو لے کر شائع کیا ہے ۔ طباعت کا معیار بہت اچھا ہے اور امید ہے کہ اہل علم اس گرانقدر علمی تحفے کی پوری قدردانی کریں گے ۔ (م . ت . ع)

تالیفاتِ رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ

افادات :۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ ۔ ناشر : ادارہ اسلامیات ۱۹۰ - انار کلی لاہور ۔ $\frac{20 \times 30}{8}$ سائز کے ۵۸۰ صفحات ۔ کتابت و طباعت متوسط ۔ کاغذ عمدہ ۔ جلد نہایت حسین اور مضبوط ۔ قیمت ۔

فقیہ العصر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ ، جو دار العلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ہیں اور عرصہ دراز تک دار العلوم کے سرپرست بھی رہے ہیں ۔ علم و فضل ، ورع و تقویٰ اور اتباع سنت میں تو اپنی مثال آپ تھے ہی لیکن تفقہ میں بھی ان کے دور میں ان کا ثانی نہیں تھا ۔ اسی لئے آپ کو " ابو حنیفۂ عصر " کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا ۔ حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ جیسے متبحر عالم ، جو علامہ شامیؒ کو ان کی جلالت قدر کے باوجود " فقیہ النفس " کا خطاب دینے پر آمادہ نہیں تھے ۔ وہ بھی حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کو " فقیہ النفس " فرمایا کرتے تھے ۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے فتاویٰ اور تالیفات اہل علم کیلئے تحقیقات کے لب لباب کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ حدیث کی متعدد کتابوں پر آپ کے افادات درس آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اور ان کے جلیل القدر فرزند شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ کی محنت کے نتیجے میں عربی زبان میں منظر عام پر آچکے ہیں ، لیکن حضرتؒ کی بیشتر اردو تالیفات چھپ کر نایاب ہو چکی تھیں اور ان کا حصول مشکل ہو گیا تھا ۔

ادارۂ اسلامیات نے زیر نظر کتاب میں حضرتؒ کی اردو تالیفات کو یکجا شائع کر کے نہایت مفید خدمت انجام دی ہے ۔

اس کتاب میں سب سے پہلے تو "فتاویٰ رشیدیہ" مکمل شائع کیا گیا ہے جو تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل ہے اور محتاجِ تعارف نہیں۔ عہدِ حاضر کا کوئی مفتی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

حضرتؒ کی دوسری تالیف جو اس مجموعے میں شامل ہے "سبیل الرشاد" ہے جو تقلید شخصی آمین بالجہر، رفع یدین، قرأتِ فاتحہ خلف الامام اور متعلقہ اصولی مسائل پر مشتمل ایک علمی تحریر ہے۔

تیسری تالیف "ہدایۃ الشیعہ" ہے، جو شیعی عقائد کی تردید میں متوسط ضخامت کی بڑی جامع کتاب ہے۔ اس میں حضرتؒ نے مسئلۂ خلافت، تقیہ، مقام صحابہؓ، مسئلۂ فدک اور وراثت انبیاء پر بڑی اطمینان بخش بحثیں موجود ہیں اور شیعوں کے اعتراضات و شبہات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔

چوتھا رسالہ "زبدۃ المناسک" ہے جو حج اور عمرہ کے مسائل پر اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے واقعۃً "زبدہ" کہلانے کا مستحق ہے۔

پانچواں اہم رسالہ "فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب و دار الاسلام" ہے۔ جسمیں حضرت گنگوہیؒ نے اس مسئلے پر بحث فرمائی ہے کہ انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟ اور مضبوط فقہی دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان دار الحرب بن چکا ہے۔ ہندوستان میں یہ بحث بہت دور رس نتائج کی حامل تھی، چنانچہ حضرتؒ نے اس کا اطمینان بخش طریقے پر تصفیہ فرما کر متعلقہ مسائل کو حل فرمایا۔ یہ بحث بہت سے اہم فقہی اصولوں اور فوائد پر مشتمل ہے اور اہل علم کے لئے بغایت مفید۔ اصل رسالہ فارسی میں ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے اس کا اردو ترجمہ فرمایا ہے اس کتاب میں متن اور ترجمہ دونوں موجود ہیں۔

چھٹا رسالہ "لطائف رشیدیہ" جو قرآن کریم کی مختلف آیات اور بعض احادیث کے بارے میں نہایت عالمانہ تفسیری مباحث و نکات پر مشتمل ہے۔ یہ زیادہ تر حضرتؒ کے مطابق ہیں اور اہل علم کے لئے علمی تحقیقات کا لب لباب ہیں۔

ساتواں رسالہ "ہدایۃ المعتدی فی ترک قرأۃ المقتدی" قرأتِ فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ہے جسمیں قرآن و سنت کے دلائل سے حضرتؒ نے حنفیہ کے اس مسلک کو مبرہن فرمایا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔

آٹھواں رسالہ "القطوف الدانیہ" ہے جسمیں ایک مسجد میں جماعتِ ثانیہ کے احکام کی تحقیق کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جب مسجد میں جماعت ہو چکی ہو تو دوبارہ اس میں جماعت کرنا جائز نہیں۔

نواں رسالہ "الحق الصریح فی اثبات التراویح" ہے جو تراویح کے سنتِ موکدہ ہونے کے دلائل پر مشتمل ہے۔ ان نو تالیفات کے علاوہ "فتویٰ مولد شریف" "رد الطغیان فی اوقاف القرآن" "تعداد رکعات تراویح" "اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ" اور "فتویٰ احتیاط الظہر" فتاویٰ رشیدیہ کے جزء کے طور پر شائع ہوئے ہیں۔

اس طرح حضرت گنگوہیؒ کے اردو اور فارسی افادات کا یہ گرانقدر مجموعہ ایسا ہے جو ہر طالب علم اور تمام علماء کے پاس ضرور ہونا چاہیئے۔ ہم اس کی اشاعت پر ادارۂ اسلامیات کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اہل علم و ذوق اس کی پذیرائی کریں گے۔

(م۔ت۔ع)

نام کتاب :- **جوامع الکلم (چہل حدیث)** مرتبہ :- حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ
باضافۂ عنوانات و تشریحات بقلم مولانا راحت علی ہاشمی

سائز :- $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۱۶}$ - کل صفحات :- ۸۰ قیمت :- ۶ روپے
ناشر :- کتاب محل - بی ۱/۱ میزانائن فلور بلاک ۱۲ الکرم اسکوائر نزد کریم آباد - کراچی

چہل حدیث کا زبانی یاد کرنا یا دوسروں کو پڑھکر سنا دینا جنت میں داخل ہونے کا آسان ذریعہ ہے۔ اسی طرح چالیس احادیث کا لکھ کر شائع کرنا اور پھیلانا بھی اسی میں داخل ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی و صدر دار العلوم کراچی مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت تھے۔ آپ نے جہاں مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک عظیم دینی ادارہ قائم فرمایا وہیں مسلمانوں کی اصلاح کہایات کے لئے ضروری اور اہم موضوعات پر کتابیں تحریر فرمائیں۔ جن کے مطالعہ سے بے شمار افراد کی اصلاح ہوئی اور نیکی و تقویٰ کا دور دورہ عام ہو گیا۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی بعض کتابیں اپنے حجم اور اپنی ضخامت کے اعتبار سے بالکل مختصر ہیں لیکن اپنی افادیت و اہمیت اور نیکی و تقویٰ کا جذبہ بیدار کرنے میں بڑی زود اثر ہیں۔ اسی طرح کی کتابوں میں یہ چہل حدیث کا چند ورقی رسالہ بھی شامل ہے جو اپنی تاثیر اور نفع انگیزی میں بے مثال ہے۔ اس کتاب میں حضرت مفتی صاحب نے وہ اہم مختصر اور بنیادی احادیث لی ہیں جن کا یاد کرنا آسان، شائع کرنا آسان اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں تقسیم کرنا آسان ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ قبولیت عطا فرمائی اور اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو کر نایاب ہو گئے۔

ایک عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ان احادیث کی مختصر شرح تحریر کر دی جائے تاکہ اس کا نفع عام و تام ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت مولانا راحت علی ہاشمی صاحب کے حصہ میں لکھی تھی۔ موصوف نے انتہائی مناسب اور مختصر انداز میں شرح لکھ کر ان احادیث کی تفہیم آسان ترین کر دی ہے۔ حاشیہ میں راویوں کے نام حدیث شریف کی کتاب کا باب، صفحہ اور نام درج کر دیا ہے۔ حاشیہ ہی میں اس حدیث کی ترکیب بھی درج کر دی ہے تاکہ صحیح ترجمہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس طرح یہ کتاب طالبعلموں کے لئے بھی مفید بن گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور دارین کی رحمتوں سے نوازے جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور اس کتاب کو حضرت کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے آمین۔ اللہ تعالیٰ شارح و ناشر کو بھی اپنی دین و عطا سے نوازے اور دنیا میں عزت اور آخرت میں بلند ترین مقام عطا فرمائے۔ نیز دین اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمات کا موقع عطا فرمائے۔ کتاب سفید کاغذ اور اچھے سرورق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کے کم از کم دس دس نسخے خرید کر دوسرے مسلمانوں میں مفت تقسیم کریں تاکہ اشاعت حدیث پاک کے ثواب میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ (ا-ا-خ-س)

رجسٹرڈ ایس نمبر ۲۶۶۷ ماہنامہ البلاغ کراچی